ابنِ امین اللہ طوفان

کا

تذکرۂ شعراء

(تصنیف ۱۲۵۱ھ تقریباً)

مُرتّبہ

قاضی عبدالودود

(م: ۱۹۸۴ء)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

ابنِ امین اللہ طوفان کا تذکرۂ شعراء

(تصنیف ۱۲۵۱ھ تقر)

مُرتّبہٗ

قاضی عبدالودود

(م: ۱۹۸۴ء)

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

ہوئے۔ رغمی تخلص[۴] انھیں نے عنایت فرمایا، جس سے سنہ ۱۲۲۵ھ سالِ تلمذ نکلتے ہیں۔ عربی فارسی کتب کی تحصیل الٰہ آباد اور لکھنؤ میں حاصل کیں۔ اردو فارسی .. میں کئی مجلد لکھ کر رکھ چھوڑے ہیں۔ .. انھوں نے بہت حالات شیخ (ناسخ) .. کے لکھ کر گرانبار احسان فرمایا جو .. طبع ثانی میں درج .. ہیں .. ناسخ کا حال لکھتے لکھتے کہتے ہیں ".. دو دیوان خود لکھ کر مجھے دیے، ایک مہر عقیق پر کھدوا کر مجھے دی" ص ۳۴۱ + "پہلوان سخن (ناسخ) زور آزمائی کے چرچے اور ورزش کی باتوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔ رغمی .. کے والد بھی اس میدان کے جوانمرد تھے .. اس لیے محبت کے ہنگامے گرم رہتے تھے" ص ۳۴۸

میرے نزدیک اس کی بہ نسبت کہ خود رغمی اس کے مصنف ہیں یہ زیادہ قرین قیاس[۵] ہے کہ یہ ان کے کسی بھائی کے رشحات قلم سے ہے۔

اس تذکرے کا زمانۂ تصنیف اس میں مرقوم نہیں، لیکن اس کے بعض مندرجات کی مدد سے ایک حد تک اس کی تعیین ہو جاتی ہے۔ اس کے اختصار کی بنا پر یہ فرض کرتے ہوئے کہ مصنف نے اسے دو چار دن سے زیادہ میں نہیں لکھا ہوگا، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۷ھ کے بعد اور رجب سنہ ۱۲۵۱ھ سے پہلے وجود میں آیا ہے۔ وجوہ یہ ہیں:

(۱) مصنف نے معتمد الدولہ (آغا میر) کو ص ۹ میں "مرحوم" لکھا ہے اور ان کی تاریخ وفات[۶]

۴۔ خمخانہ میں یہ مرقوم ہے کہ رغمی سے سال آغاز شاعری نکلتا ہے اور وقت تحریر سے (جس کی تعیین مشکل ہے) چار پانچ برس قبل اسی سے زیادہ کی عمر میں وفات۔ یادگار ضیغم میں عمر ۸۰ سال کے قریب۔

۵۔ ناسخ کے مولد کے متعلق اس تذکرے میں جو کچھ مرقوم ہے وہ اس سے مختلف ہے جو آزاد نے اس باب میں رغمی کے حوالے سے لکھا ہے۔

۶۔ کلیات میں ناسخ کا قطعۂ تاریخ وفات ہے، لیکن غلط لکھا ہوا ہے، بیل نے مفتاح التواریخ میں اسے صحیح نقل کیا ہے۔ مادّہ یہ ہے: "دوشنبہ پنجم ذی الحجہ اولیٰ" باقی صد پر

میں نے قلمبند کی تھی وہ گم ہو گئی ہے، اس لیے میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ خود مصنف نے اس باب میں کیا کہا ہے۔ محسن نے ان کی مثنوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۰۳ "لوگ.. ڈپٹی کلکٹر ہو گیا" کے متعلق اودھ اخبار ۱۵ اپریل ۱۸۷۶ء ص ۵۵۱ میں ہے کہ یہ شعر پہلے اودھ اخبار میں چھپا تھا، پانیر میں "شاید" اسی سے نقل ہوا۔ پانیر نے لارڈ لٹن کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "ایک مسلمان شاعر جو ممالک مغربی و شمالی میں مشہور ہے اس کا قول ہے کہ: "لوگ .. ہو گیا".. یہ شاعر بڑا ہی زود فہم ہوگا.. کچہری جاتے وقت یہ شعر کہتا ہوگا.. اس کو ضرور ہی خیال آتا ہوگا کہ قرقی بیجا کون ہوتی اور داخل خارج کس موضع کا ہونا چاہیے"

۱۲۴ اب تو میں ہوں الخ میں "اور" کی ر بری طرح وزن سے باہر ہے تو آپ کو الخ" میں "کو" کی جگہ "کوئی" ہونا چاہیے۔ ۱۲۳ فغاں نے بیتاب کے شعر ذیل کی تضمین کی ہے: قتل گر کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں :: ہاں میاں تشنۂ آب دم تردار ہوں میں۔

۱۲۵ شوکت نادری نسخۂ کتبخانۂ رضائیہ میں ہے: "خاں، یٰسین خاں از رؤسائے ایں شہر در علوم عربیہ تحصیلش بکمال رسیدہ، گاہگاہ میلان خاطرش بشعر می گردد لیکن از کثرت کارہائے متعلقہ کہ خدمت داروغگی پرمٹ بہ او مفوض است کمتر بہ ایں طرف متوجہ می گردد، لیکن در حقیقت نبض شناس سخن است و واقف دقائق ایں فن" (شوکت نادری اور مدائح الشعرا کے اقتباسات شاہ مقبول احمد صاحب کلکتہ نے جناب عرشی سے منگوائے ہیں۔ ان کے استعمال کے لیے میں ان دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں)۔

۱۲۷ شوکت نادری: "مظلوم .. غلام حسن ملقب بہ .. مظلوم شاہ، اصل وطنش متصل .. پنجاب .. مدتے ممتد در لکھنؤ بخدمت .. مصحفی بودہ و در تلمذ ایشاں گوئے سبقت ربودہ، از عرصۂ پانزدہ سال دریں شہر رسیدہ باعث فروغ فن شعر کہ بہ اندراس رسیدہ بود گردید۔ مرد متوکل است و دریں فن کامل، راقم نقوش غریبہ است و ناظم

جواہر عجیبہ۔ معنی یاب وقت آفریں است" مدائح الشعرا: "منظوم.. قدوۃ الفقرا' زبدۃ الکملا' سر حلقۂ شاعران رنگیں بیاں.. معارف کیش.. میاں مظلوم شاہ مرحوم.. از قدیم الایام من متوالان (کذا) ومتوطنان.. الٰہ آباد است.. در ابتدا شاگرد رشید۔ مصحفی.. و در دور آخر چوں.. ناسخ مغفور وارد الٰہ آباد گشت بہ تلامذگی (کذا) آں وحید الزماں) سر مباہات بہ فلک الافلاک برافراخت وہر چند کہ کامل بود اکمل الکملا گردیدہ.."

۱۳۰ شوکت نادری تخ بیمار اسم سامیش سید زین العابدین از عمدۂ رؤسائے ایں شہر و عالی خاندانست وخود نیز بہوا الشعالی روزگار و با اقتدار بودہ۔ در یں ضلع و دیگر اضلاع عہدۂ سر رشتہ داری عدالت و در سرکار نائب والی نائب (کذا) لکھنؤ عہدۂ منشی گری بہ او مفوض بود۔ اشعارش گرمی بازار سخن است و طبعش باعث فروغ ایں فن۔ از کثرت اشغال و ضیق مجال کمتر بفکر سخن مے پردازد۔ بعضے از نتائج بلند او کہ از غائت قبولیت زبان زد اہل شہر است زینت ایں اوراق میگرداند"

۱۳۱ معتمد الدولہ نے جس موقع پر فضل علی کو گرفتار کرنا چاہا تھا' اس وقت اس کے بھیجے ہوئے لوگوں نے نصیر الدین حیدر پر بندوق چلانی چاہی تھی، فضل علی وغیرہ نے جلد سامنے سے ہٹالیا سوانحات ص ۲۵۱۔ آثار الصنادید (نولکشوری باب ۳ ص ۳۲) میں ان کے خطابات ذیل مرقوم ہیں: اعتماد الدولہ ضیاء الملک بہادر سہراب جنگ۔ مصحفی کے دیوان ۷ میں ان کی مدح میں ایک مختصر سی مثنوی ہے اور ان سے متعلق ایک قطعہ جس کا عنوان یہ ہے: در غسل صحت میر فضل علی، داروغۂ سرکار بادشاہ بیگم صاحبہ":

روز جشن غسل صحت میر صاحب کا ہے یہ　　جس کے باعث گرد غم جتنی تھی سب دھوئی گئی
ہر طرف جوش مبارکباد کی پہنچی صدا　　نرگس بیمار کو ان کی شفا حاصل ہوئی

بے طلب سائل کو دیتا ہے یہ ہمت کا کمال ‏ دیکھنے میں اپنے کم آیا ہے کوئی ایسا سخی
مصحفی کی یہ دعا ہے اب کہ تا روز قیام ‏ نور ہے بے رنج اور آنکھوں کی تیری روشنی
دشمنوں کے دل کو پہنچے داغ محرومی تمام ‏ دوستوں کے سر پہ ہو یہ سایۂ فضل علی

عمۂ فیض علی جن کا نام فیض النسا تھا عہد نصیر الدین حیدر میں نہیں مری تھیں، ان سے غازی الدین حیدر کے کارندوں نے پچاس ہزار وصول کیے تھے ' لاکھ روپے محمد علی شاہ نے لیے، یہ ڈر کر شمس آباد چلی گئیں اور وہیں ان کی وفات ہوئی ۔ عہد امجد علی شاہ میں ان کی نعش لکھنؤ آئی اور کربلائے خدا بخش میں ہم پہلوے فضل علیخاں دفن ہوئیں ۔ سوانحات ص ۳۴۷ ۔ فضل علی سے متعلق کوئی نظم کلیات نامطبوعہ میں نہیں ۔ ۱۳۱ الف بیمار کے شعر ۲ کا مصرع ۲ ناموزوں ہے ۔

۱۳۴ شوکت نادری: " اعظم مرزا اعظم علی .. از سکنائے قدیم خلد آباد منحلات .. الہ آباد " شاگرد آتش، فکر معاش سے شعر کہنے کا وقت کم ملتا ہے ۔

۱۳۵ مدائح الشعرا: " ذاکر اسم شریفش سرمایۂ فضل و کمال و آں سر منشا سخنداں (کذا) نکوسیدہ (کذا) خصال، کشاف دقائق اشعار خفی وجلی مولوی ذاکر علی سکنائے (کذا) تلمیذ نالہ اند "

۱۳۹ شعر زیر بحث مصحفی کے کسی دیوان میں نہیں ملا مگر اس زمین میں ان کا دو غزلہ موجود ہے ۔

۱۴۱ آب حیات " حاجی محمد صادق خاں، اختر " ص ۳۴۶ ۔ حاجی کہیں اور نظر نہیں آیا ۔

۱۴۶ حسین علی خاں کے مزید حالات سوانحات ۱ ص ۲۳۵ ۔

۱۴۷ مرزا حاجی نے عہد سلطنت واجد علی شاہ میں جس کا خاتمہ ۱۲۷۲ھ ہوا، وفات پائی تھی، یہ سوانحات ۲ (اس کا نام قیصر التواریخ) ص ۶۸ ۔ سے ثابت ہے ۔

سنہ ۱۲۷۵ھ قطعاً غلط ہے۔

۱۵۲ مرزا محمد تقی، ہوس سید نہ تھے ۱۵۵ دیوان یاس سے تلمذ راسخ ثابت ہے ۱۵۹ شوکت نادری میں ہے کہ "از اقربائے قریبۂ جناب سید شاہ نور علی مغفور است"

۱۶۲ شہید کا سال وفات دیوان نور شاگرد برق میں ہے، غالباً سنہ ۱۲۷۷ھ اس وقت دیوان پیش نظر نہیں۔

مفردات و مرکبات و طرق استعمال

پریکھا کرنا ذ، پیکھا ذ، آنکھ مندی، بڑے بول کا سر نیچا، دم اٹکنا، اضطرابی، شتابی، دل بکھرا جاتا ہے، چلبلا ذ، لگر ہا ہے، کان چھدانا، دوالے، بالے پن، تختر ذ ۲، بکھری، استخوان ذ، مم، جان، جھٹکا دینا ذ، لٹکا ذ، نظر سے مت ٹیک، اشارت ۳، تعال تعال، ابر و گیسوت، موئی امت، جلی کٹی کی، مسکنا، نفشہ جمنا، دیپک راگ ذ، لہرانا ۴، تیرنا، نعمت الوان، جو کی روٹی، ابالے ساگ، ندیدے، کجلانا، جینا ذم (رحاشیہ) ردیپ، زلیست ث، ڈھٹائی، کناری، کٹورا دوڑانا، ڈسا، کالا، کھیلنا، نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، پیٹا کرہ، سانپ نکل گیا لکیر پیٹا کر، دو چشمی ہے کھینچنا، دو چشمی تصویر، سودا بننا، خریداری کو ٹوٹنا، کسی سے دل ٹوٹنا، آسمان ٹوٹنا، دم پھڑک جانا، تفرقہ انداز، ڈاب، رات بھاری ہونا، تزلزل ۶، کاہیکو، شجر کے تلے، بسنتی جوڑا، چشم میں سرسوں پھولنا، بل پڑ جانا، مسی مالیدہ، بول بالا ہونا، گنگا کا دھارا، خوشبو، ملھرا (رحاشیہ)، مہندی ملنا ۷، لال بھبھوکا، انگریز (بہ اعلان ن)، پلکوں کی چلمن چھوڑ دے، بیل ث (رحاشیہ)، چاندنی پڑ جانا، تیوری چڑھانا، جھفنے پڑنا، رنگت، پور (انگلی اور نیشکر کی)، ڈور ہونا، اڑ اڑ کر بیٹھ گیا، پلک سے پلک لگنا، لکھے موسیٰ پڑھے خدا،

پھیل (تلوار کا) ۹، سینچنا، گلدار، بری، چاندنی کے کھیت، پلستر(اردو) ۱۰، بدذات،
سکھلانا، ہو وے، موتیا، (رحاشیہ)، تنبیہہ دینا ۱۱، گنڈا پہنانا، استمداد،
اکڑنا، بوٹا سا قد، آپ کو (اپنے کو) ۱۲، اردو، بانس کے بن، چٹکنا، دل لگی،
آہ و نالے، آہ و نالو، تم نداری بز بحر ۱۳، ہندی (اردو اور جگہ بھی)، اُلٹی سی
ٹپکتی ہے، گھن لگنا، روگ دیا، دانت کھٹے ہونا، اطلاع کرنا، کشاف ۱۴، تحت الثری،
جادو طراز، صحابت۔ حقیقت قطع کی ہ، بات کاٹی، کام ہوگیا، سدھارنا، ہونٹوں
کو چاٹنا، مگر (مگر مچھ) ۱۶، آج ہی (ہ وزن میں ساقط)، وسواس کرناذ، نیند اُچٹ
جانا، بے پیر، بحر و ساذ، چاہت، اپنے بدن سے نکل گیا، نئیں، بدظن، آنکھوں سے
حکم بجالانا، کارواں اتارنا، نخل تلے، منگل، جونو غضب ہے ۱۷، خفقان (بفتحہ ر
خ وف) ذ، شمس الحق تبریز ۱۸، بینی، خم، خوشبو، کبھو ۱۹ (رحاشیہ)۔

مفردات و مرکبات اور طرقِ استعمال

الفبائی ترتیب میں

آپ کو (اپنے کو)، ۱۲۰
آج ہی (ہ وزن میں ساقط)، ۱۶۰
آسماں ٹوٹنا، ۵
آنکھ مندی، ۱
آنکھوں سے حکم بجالانا، ۱۶
آہ و نالو، ۱۲
آہ و نالے، ۱۲
ابالے ساگ، ۴
ابرو و گیسو (مونث)، ۳
اپنے بدن سے نکل گیا، ۱۶
اُردو، ۱۲
اڑا اڑا کر بیٹھ گیا، ۷
استخواں (مذکر)، ۲
استمداد، ۱۱
اشارت، ۳
اضطرابی، ۱
اطلاع کرنا، ۱۳
اکڑنا، ۱۱
الٹی سی ٹپکتی ہے، ۱۳
انگریز، ۷
بات کاٹی، ۱۴
بالے پن، ۱
بانس کے بن، ۱۲
بدچلن، ۱۶
بڑے بول کا سر نیچا، ۱
بسنتی جوڑا، ۶
بل پڑجانا، ۶
بوٹا سا قد، ۱۱
بول بالا ہونا، ۶
بھروسا (مذکر)، ۱۶
بے پیر، ۱۶
بینی، ۱۸
پٹیا کر، ۵
پری، ۹
پریکھا کرنا (مذکر)، ۱
پشتخار (مذکر)، ۱
پلک سے پلک لگنا، ۷
پلکوں کی چلمن چھوڑ دے، ۶
پنکھڑی، ۲
پور (انگلی اور نیشکر کی)، ۷
پھل، تلوار کا، ۹
تبختر (مذکر)، ۲
تحت الثری، ۱۴
تزلزل، ۶
تشبیہ دینا، ۱۱
تعال تعال، ۳
تفرقہ انداز، ۵
تئیں، ۱۶

تیرنا، ۴

تیوری چڑھانا، ۷

جادو طراز، ۱۴

جان، ۲

جھنتے پڑنا، ۷

جلی کٹی کی، ۳

جو تو غضب ہے، ۱۷

جو کی روٹی، ۴

جھٹکا دینا (مذکر)، ۲

جینا (مذکر)، ۴ (ملحقات درحاشیہ)

چاندنی پڑ جانا، ۷

چاندنی کے کھیت، ۹

چاہت، ۱۶

چٹکنا، ۱۲

چشم میں سرسوں پھولنا، ۶

چلچلاؤ لگ رہا ہے، ۱۰

حقیقت قطع کی، ۱۴

خریداری کو ٹوٹنا، ۵

خفقان، ۱۷

خم، ۱۸

خوشبو، ۶، ۱۸

دانت کھٹے ہونا، ۱۲

دل بکھرا جاتا ہے، ۱۰

دل لگی، ۱۲

دم اٹکنا، ۱

دم پھڑک جانا، ۵

دوانے، ۱

دو چشمی تصویر، ۵

دو چشمی ہے کھینچنا، ۵

دوڑانا، ۴

دیپک راگ (مذکر)، ۳

ڈاب، ۵

ڈسا، ۴

ڈور ہونا، ۷

ڈھٹائی، ۴

رات بھاری ہونا، ۵

رنگت، ۷

روپ، ۴

روگ دیا، ۱۳

زیست (مونث)، ۴

سانپ نکل گیا لکیر پیٹا کر، ۵

سدھارنا، ۱۴

سکھلانا، ۱۰

سودا بننا، ۵

سینچنا، ۹

شتابی، ۱

شجر کے تلے، ۶

شمس الحق تبریز، ۱۸

صحابت، ۱۴

غم نداری بز بخر، ۱۳

کارواں اتارنا، ۱۶

کالا، ۴

کام ہو گیا، ۱۴

کان چھدانا ۱۰

کاہیکو، ۶

کبھو، ۱۹

کٹورا، ۴

کجلانا، ۴

کسی سے دل ٹوٹنا، ۵

کثاف، ۱۴

کناری، ۴

کھیلنا، ۴

گلدار، ۹

گنڈا پنہانا ۱۱

گنگا کا دھارا، ۶

گھن لگنا، ۱۳

لال بھبھوکا، ۷

لٹکا (مذکر)، ۲

لکھے موسیٰ پڑھے خدا، ۷

لہرانا، ۴
لیکھا (مذکر)، ۱۰
مسکنا، ۲
مسی مالیدہ، ۶۵
مگر (مگرمچھ)، ۱۶
مکھڑا، ۶ (درحاشیہ)
منگل، ۱۶
موتیا، ۱۰ (درحاشیہ)
موئی امت، ۳
منہدی ملی، ۷
میل (مونث)، ۳، ۷ (درحاشیہ)
نخل تلے، ۱۶
ندیدے، ۴
نعمت الوان، ۴
نظر سے مت ٹپک، ۲
نقشہ جمنا، ۳
نم، ۲
نہ منہہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، ۴
نیندا چٹ جانا، ۱۶
وسواس (مذکر)، ۱۶
ہندی (اردو اور جگہ بھی)، ۱۲
ہونٹوں کو چاٹنا، ۱۴
ہووے، ۱۰
یدقدرت، ۱۰

Tazkira-e Shu'ara

A Biography-cum-authology of Urdu Poets

by

Ibn-e Aminullah Toofan

(d.1252 H. (approx.))

Edited by

Qazi Abdul Wadood

(d. 1984)

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna

۵ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ ہے۔ (۲) مصنف نے سعادت یار خاں، رنگیں کے باندہ میں ملازم نواب ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کا شمار زندوں میں کیا ہے۔ ان کا انتقال جمادی الآخرہ ۱۲۵۱ھ میں ہوا ہے۔

اس تذکرے میں ۱۴۱ شاعروں سے متعلق عبارات نثر اور ان کے اشعار منتخب ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۲۷۵ ہے۔ سب سے زیادہ اشعار ناسخ کے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مصنف کے والد کے ناسخ سے گہرے تعلقات تھے اور یوں بھی ناسخ اس زمانے میں دبستان لکھنؤ کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے تھے۔

مصنف کا نقطۂ نظر اور طریقۂ تذکرہ نگاری محققانہ نہیں، اور اس کی عبارت فارسی بھی نقائص سے مبرا نہیں۔ بدقسمتی سے کتاب کا کاتب بھی بداملا اور غلط نویس ہے۔ متن بہت بڑی حد تک ن کے مطابق ہے۔ قلمی نسخے اور نسخۂ مطبوعہ کے اختلافات حسب ذیل ہیں: (۱) ن میں اگر کوئی لفظ یا حرف صریحاً کاتب سے چھوٹ گیا ہے تو نسخۂ مطبوعہ میں اسے قوسین کے اندر درج کیا گیا ہے (۲) ن کا کوئی لفظ کسی وجہ سے ضائع ہو گیا ہے یا بالکل پڑھا نہیں جاتا تو اس کی جگہ نقطے دے دیے گئے ہیں (۳) اغلاط املا درست کر دیے گئے ہیں (۴) ن میں کچھ رباعیوں اور قطعوں سے پہلے لفظ رباعی مرقوم ہے، یہ بالالتزام حذف کر دیا گیا ہے، اور جابجا سے اشعار کے قبل جو "از وست" کے الفاظ ہیں نکال دیے گئے ہیں (۵) اشعار کی تعداد ن میں نہیں، نسخۂ مطبوعہ میں میں نے بڑھائی ہے۔ اغلاط طباعت کی تصحیح غلط نامے سے کر لی جائے، نیز اغلاط کی طرف ناظرین کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶ سے آگے: ۱۲۴۷ھ کی تائید فرد کے قطعے (مفتاح التواریخ) اور صاحب تاریخ محتشم کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ معتمد الدولہ کی وفات نصیر الدین حیدر (سال جلوس ۱۲۴۳ھ) کے پانچویں سال جلوس میں ہوئی۔

۷ گلشن بیخار و روز روشن۔

توجہ خاص طور پر منعطف کرائی جاتی ہے: (۱) تعداد اشعار سودا د نا سخ غلط ہے۔ (۲) سودا کا ایک شعر چھوٹ گیا ہے (۳) شاعر ۳۸ کا نام غلط ہے۔

حواشی میں مصنف کے ان اغلاط کی جن کا مجھے علم ہے تصحیح کی گئی ہے، مگر محض لفظی استقام سے زیادہ بحث نہیں کی گئی ہے۔ خاص خاص شعرا کے حالات اور کلام میں اضافہ بھی کیا گیا ہے اور تذکرے کے اشعار اگر کہیں اور مختلف طور پر نظر آئے ہیں، تو اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر اس کا التزام نہیں۔ بعض امور سے متعلق متضاد اقوال ملیں گے بغیر اس کے کہ تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ بہم شدہ مواد کی کمی کی وجہ سے ہے، یا اس لئے کہ کوئی بات صریحاً غلط ہے اور اس کی تردید غیر ضروری۔

فہرست سے یہ معلوم ہوگا کہ کس شاعر کا حال اور کلام اور اس سے متعلق اشخاص کا ذکر کہاں کہاں ہے۔

فہرست

۱ دردا، ۲۰ تا ۲۴، ۷۷، ۸۱

۲ میرا، ۲، ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۵۲، ۵۴

۳ سودا ۲، ۲۱، ۲۵، ۲۶، ۵۲، م

۴ سوز ۳، ۲۵، ۲۶

۵ مصحفی ۳، ۴، ۱۰، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۲۹، ۳۱، ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۵۷، ۵۸ تا ۵۹، ۶۵ تا ۶۸، ۷۱، ۸۳ تا ۸۵

۶ انشا ۳، ۴، ۲۶، ۷۷، ۸۱

۷ منظر ۴، ۲۶، ۸۱

۸ جرأت ۴، ۲۶ تا ۲۸، ۵۲، ۷۱، ۷۷

۹ نصیر ۴، ۵، ۲۸، ۸۱

۱۰ ذوق ۵، ۲۸، ۲۹، ۷۷، ۸۱

۱۱ ناسخ ۵ تا ۱۰، ۱۸، ۱۹، ۲۹ تا ۳۶، ۳۸، ۴۴ تا ۴۶، ۵۴، ۵۶، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۸۱، ۸۴، ۸۵، م

۱۲ وزیر ۸، ۹، ۳۰ تا ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۶۰، ۷۷، ۸۱

۱۳ گویا، فقیر محمد خاں ۸، ۹، ۳۳ تا ۳۷، ۷۷ تا ۷۹، ۸۲

۱۴ برق ۹، ۳۷ تا ۴۳، ۷۳، ۷۴، ۸۶

۱۵ رشک ۹، ۴۳ تا ۴۵، ۷۹، ۸۲، م

۱۶ نادر، کلب حسین خاں ۱۰، ۱۸، ۴۵ تا ۴۹، ۶۳، ۷۹، ۸۲ تا ۸۶

۱۷ آتش ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۲۹، ۳۲، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۰، ۵۶، ۵۷، ۸۱، ۸۵

۱۸ خلیل، دوستعلی ۱۱، ۴۹، ۵۰

۱۹ جلیل، ہدایت علی ۱۱، ۵۰

۲۰ حیرت، محمد علیم (اردو میں بیتاب تخلص) ۱۱ تا ۱۳، ۵۱ تا ۵۵، ۸۳

۲۱ خاں، غلام یٰسین خاں ۱۲، ۱۳، ۵۱ تا ۵۵، ۸۳

۲۲ نجف، شاہ محمد اعلیٰ ۱۳، ۵۳، ۵۴

۲۳ مظلوم، مظلوم شاہ ۱۳، ۱۴، ۵۴، ۵۵، ۷۹، ۸۳، ۸۴

۲۴ بیمار، زین العابدین ۱۴، ۵۵، ۵۶،
۷۹، ۸۰، ۸۴، ۸۵

۲۵ اعظم، اعظم علی بیگ ۱۴، ۱۵، ۵۴، ۵۶،
۵۷، ۸۰، ۸۵

۲۶ ذاکر، ذاکر علی ۱۵، ۵۷ تا ۵۹، ۸۰،
۸۵

۲۷ عرفاں، محمد عباس ۱۵، ۱۶، ۵۹، ۸۵

۲۸ نادر لکھنوی ۱۶، ۵۹، ۶۰، ۸۰

۲۹ اختر، قاضی محمد صادق ۱۶، ۵۲،
۶۰ تا ۶۵، ۸۰، ۸۵

۳۰ اندوہ، علی حسین خاں ۱۷، ۶۵

۳۱ بحر، ۱۷، ۶۵ تا ۶۷، ۸۰، ۸۵

۳۲ مہر مرزا حاجی (دراصل قمر) ۱۷،
۶۷ تا ۷۰، ۸۰، ۸۵، ۸۶

۳۳ رنگیں ۱۷، ۷۰، م

۳۴ ہوس ۱۷، ۷۰، ۷۱، ۸۶

۳۵ یاس، انور علی ۱۷، ۷۱، ۷۲، ۸۱، ۸۶

۳۶ ناطق بنارسی ۱۷، ۱۸، ۷۲

۳۷ طوفاں، امین اللہ ۱۸، م

۳۸ ہادی، محمد مہدی (محمد ہادی غلط)
۱۸، ۷۲، ۷۳، ۸۶، م

۳۹ رضا ۱۸، ۱۹، ۷۳

۴۰ شہید، محمد بخش ۱۹، ۷۳ تا ۷۶، ۸۰، ۸۶

۴۱ سوزش، عبداللہ ۱۹، ۷۶

مخففات

آوارہ = آوارہ گرد اشعار مرتب کی ایک زیر تصنیف کتاب۔

ث = مؤنث، ذ = مذکر، ر = رجوع بہ، م = مقدمہ، ن = کبھی تذکرۂ ہذا اس سے قطع نظر کہ مطبوعہ یا غیر مطبوعہ، اور کبھی مخطوطہ کتب خانۂ مشرقیہ۔

ابن امین اللہ طوفان

کا

تذکرۂ شعراء

مرتبۂ

قاضی عبدالودود

تذکرۂ شعرا

حضرت خواجہ میر 'درد' علیہ الرحمۃ کہ از کملین زمانہ و در جمیع علوم و فنون یگانہ بود۔ ۱۲/۱
مضمون شورش درد آلود است :

اے درد بہت کیا پر کیا ہم نے — دیکھا کچھ اور ریاں کا لیکھا ہم نے
جب آنکھ مندی تھی دیکھتے تھے سب کچھ — جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے
ہم یہ کہتے تھے کہ احمق ہو جو دل کو دیوے — دیکھیں تو جبین لی دل ہم سی وہ کون ایسا ہے
سو اب اک شخص سکھے ہے زیر قدم سر اپنا — سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے
کل جو گلی میں اس کی میں سر ٹیک رہا تھا — پہلو میں میرا دل بھی ساتھ ہی کھٹک رہا تھا
سکتے ایک عالم اس طور ہو رہا غلط — چشم امید وا تھی اور دم اٹک رہا تھا
اک مرتبہ دل کو اضطرابی آئی — شاید کہ اجل مری شتابی آئی
بکھرا جاتا ہے ناتوانی سے دل — عاشق نہ ہوئے مگر خرابی آئی
دنیا و دیں کو اور خریدار لے چلے — ہم دل کے آئینے میں فقط یار لے چلے
تحقیق کیجیے دوزخ و جنت کو سو غلط — جاویں گے ہم ادھر کو جدھر یار نے چلے
جس مے لیے آئے تھے ہم سو کر چلے — تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

میر تقی 'میر' وجود پاکش از دہلی است و بعضے اصلش از اکبرآباد میگویند، او اخر بہ ۱۱/۲
لکھنؤ وطن گزیدہ۔ بالآخر بشاعری برگزیدۂ ہندستاں گردیدہ۔

چھدنیا کان انھوں نے بالیاں پہنی ہیں سنتے ہیں — دوانے ان کے بالے پن کے ابتک تنکے چنتے ہیں

تناسب پر اعضا کے اتنا بجنت رہ   بگاڑا تمھیں تو بصورت بنا کر
ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لو   کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا
نازکی ان لبوں کی کیا کہیے   پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
سرھانے میر کے آہستہ بولو   ابھی تو روتے روتے سوگیا ہے
کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی   شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
دلی کے جو کوچے تھے اوراق مرقع تھے — جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
کل پاجو ایک کاسۂ سر پر مرا پڑا   دیکھا تو استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا سمجھ کے چل لے راہ بے خبر — میں بھی کبھی کسی کا سر پرغرور تھا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی   ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح تیری شام ہونے آئی میر   تو نہ سوچا اور بہت دن کم رہا

۳/۹ مرزا رفیع، سودا دہلویست، چندے بمصاحبت نواب فرخ آباد بسر بردہ، بعدہ
در لکھنؤ مرد:

پرے رہ برق خار آشیاں سے تجھ کو کہتا ہوں   اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا
قبا کے بند جو یاں تم نے جاں کھول دیے   صبا نے باغ میں جا گل کے کان کھول دیے
کھینچ اے شانے زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا   اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا
نہ آنکھوں میں تری جادو نہ ہرگز سحر زلفوں میں   یہ دل جس سے ہے دیوانہ محبت کا ہی وہ ٹٹکا
دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا   جوں سنگ پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا
رخصت ہے باغباں سے کہ ٹک دیکھ لیں چمن   جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا
پہنچیں گے اس چمن میں نہ ہم داد کو کبھی   جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا
بے تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا   تجھ سے جو دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے   کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت   خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

جناب میر سوز دہلوی در فن سپہگری کامل و یکتا بود و خط شفیعا خوب می‌نوشت ۴/۴
آخر العمر لکھنو آمدہ:

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے   اب بھی ملنے ہو بدستور کہ گاہے گاہے
دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک تیر بھر کر دم سرد — یوں اشارت سے بتایا سر راہے گاہے

جب کہ کہے تھا میر میر تب نہ مرا ہزار حیف   اب جو کہے ہے سوز سوز یعنی سدا جلا کرے
مرحبا مرحبا تعال تعال   اے لو آیا ہے اب خدا حافظ

مصحفی از اطراف دہلیست، صاحب دواوین، در لکھنؤ نیک شہرت یافتہ، شاگر ۵/۷
(دال) بسیار داشت:

آہ کرنے سے ہے طاقت اپنے جسم زار کو   بے عصا مشکل ہے اٹھنا مردم بیمار کو
ہونے پائی نہ دہن سے ترے دشنام تمام   جنبش لب ہی (نے) اپنا تو کیا کام تمام
ابرو جو چوم لی کہا تلوار کھائے گا   گیسو جو منہ میں لی تو کہا مار کھائے گا
ذرا دیکھو کہ کس ناز و ادا سے یار آتا ہے   مسیحا کی موئی امت کو ٹھوکر سے جلاتا ہے
کیا جانے کوئی کسی کے جی کی   کٹتی نہیں رات بیکسی کی
گلگیر نے کاٹ کر سر شمع   پروانے سے شب جلی کٹی کی
شاہد رہیو تو اے شب ہجر   جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

میر انشاء اللہ خاں، پسر حکیم ماشاء (اللہ) خاں، سیر بنگالہ ہم نمودہ، در وقت سعادت ۶/۶
علی خاں نوکر بود، بعدہ حیدر آباد رفت:

آغوش تصور میں جب میں نے اسے مسکا   لبہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا
ایکے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا   کاسۂ گردش بریں سارے کا سارا جم گیا
برف کے کوزے جو بھیجے آپ نے انشا کو آج   اس کے یہ معنی کہ اب نقشہ تمہارا جم گیا
عجب سرچشمہ مہتاب سے ہے آگ پانی پہ   سنایا چاندنی نے آج دیپک راگ پانی پر

مجھے جو تیرے بیں دھیان زلف یار کا آیا — تو موجیں یوں لگیں لہرانے جیسے ناگ پانی پر
تصدق کرتے ہیں ہم نعمت الواں کو ای انشا — اسی اک جو کی روٹی، دو ابالی ساگ پانی پر

۷/۱ منتظر از تلامذہ مصحفی، یک شعر گوشزد حقیر شدہ۔ زندگیش و فاتش در معلوم نیست کہ اشعارش .. گردیدہ:

رہے منتظر منتظر یار کے — یہ دیدے نہ دیدے ہیں دیدار کے

۸/۷ جرأت زاد بوم لکھنؤ است۔ در سن نوزدہ سالگی چشمہایش رفتہ، اما شعر گوے عین بینا بودہ

کوئی ہمارے تغافل شعار سے کہیو — کہ آپ ذرہ نوازی جو مہر وار کریں
تو باوجود تقاضاے مرگ و شدت نزع — ہم اور بھی نفس چند انتظار کریں
جب نظر بجلی کو وہ چشم فسوں ساز آگئی — آتش افسردہ کے مانند بس کجلا گئی
جب کہ جینا دم غنیمت جانتے تھے آہ ہم — موت اپنی شکل کس کس رنگ سے دکھلا گئی
اب جو راغب موت پر رہتا ہوں تو دیکھو نصیب — زیست بڑھ گئی زیست کی اور موت کی ہمت آ گئی
اب ڈھٹائی جانیے یا اس کو جرأت جانیے — آ گئی جی آ گئی اب تو طبیعت آ گئی

سنا ہے اس صنم کے بھی کمر ہے — کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

۹/۷ نصیر دہلوی کہ در آں نواح اعتبار دارد و اکثرے بہ استادیش قائل اند بہر کیف:

یوں رہستوں کو لگے دیکھ کے پیاری بجلی — دامن ابر پہ ڈاکے ہے کناری بجلی
چرائی چادر مہتاب کو جو شب نے سمجھو لیہ — کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر
پانچوں تو اس کے ناخن پا اڑ کے چومتا — دیتا فلک مجھے جو کبھی ہلال چار
ڈسا ہو کالے نے جس کو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے
دہان و گیسو کا تیرے مارا نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے
جگر میں آہ سوزاں ہے رکھی ہے چشم تر پانی — الٰہی دل کدھر جاوے ادھر آتش ادھر پانی

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی۔ ۴۰۰۰۰۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

NEW DELHI-2
Aiwan-e-Ghalib Marg

اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : پچاس روپے

پاکیزہ آفسیٹ، شاہ گنج، محمد پور روڈ، پٹنہ ۔۶ میں طبع ہوئی۔

خیال زلف بتاں میں نصیر پیٹا کر | گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر
ہے اس نے جو کھینچی دم تحریر دو چشمی | مانی سے نہ پھر کھنچ سکی تصویر دو چشمی

ذوق دہلوی: از شاگردان پیر توقیر نصیر۔ از غزلش چہار شعر کہ بمن رسید 10/4
بسلک تحریر کشید:

نشانی کچھ دکھائی دے تو بتلاؤں یہاں ٹوٹا | نظر آیا نہ اپنے اشک کا شیشہ جہاں ٹوٹا
بنے اس عشق کے بازار میں کیونکر بھلا سودا | خریداری کو انکی اب تو یہ سارا جہاں ٹوٹا
نہ کر بے رحمی اتنی بھی دل محزوں پہ اے ظالم | نہیں ملتا کسی کا دل کسی سے پھر جہاں ٹوٹا
خدا حافظ ہے تیرا ذوق اب کچھ بن نہیں آتی | دل محزوں کے اوپر ہائے غم کا آسماں ٹوٹا

حضرت شیخ امام بخش، عبد اللہ ناسخ۔ مولد شریفش شہر مینو سواد فیض آباد است، و از 11/49
طفولیت در لکھنؤ بتحصیل علوم و تکمیل فنون اوقات منیف بسر فرمودہ و در شعر گوئی شاگردی ننمودہ، معہذا فی زماننا علم استادی افراختہ، شکل نیر عالمتاب خانہ بخانہ و شہر بشہر شہرت دارد کہ محتاج نمایش ما ذرہ بمقدار نیست۔ بندے از کلام فیض نظام او می نگارد:

دل سبک مضموں سے اپنا آشنا ہوتا نہیں | سنگ مقناطیس ہرگز کہربا ہوتا نہیں
ذبح وہ کرتا تو ہے پر چاہیے اے مرغ دل | دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا
ہے تعجب آسمان تفرقہ انداز سے | ایک جا ہیں عاشق و معشوق کیونکر خواب میں
آبرو والوں کی رہتی ہے یہاں تر دامنی | دیکھ لو ہے خشک اور ڈوبا ہے موتی آب میں
بزم مے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا کوہ غم | بار سنگیں جیسے ہو جاتا ہے ہلکا آب میں
گو ہر مضموں لیے پھرتے ہیں دیوان شہر شہر | ہے رواں اپنا سفینہ موتیوں کی آب میں
چشم تر میں ہے تصور روئے جاناں کا مدام | پھنس گیا ہے عکس یاں خورشید کا گرداب میں
یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو | جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو
خاکساران جہاں کا ہے ادب ایسا مجھے | پاؤں رکھتا ہوں بچا کر سایۂ دیوار کو

دی ہے خالق نے ازل سے آبرو تلوار کو
کیوں نہ آنکھوں پر جگہ ہو ابروئے خمدار کو

مشتاق بدر سے ہیں زیادہ ہلال کے
دنیا میں قدرداں نہیں صاحب کمال کے

ہاتھ بیتابانہ کیا رکھدوں میں اسکے دوش پر
جس کو بار سایۂ کاکل سے درد شانہ ہے

دل پر داغ کو ہے بیقراری صاف اشکوں سے
عیاں خورشید کا جسطرح پانی میں تزلزل ہے

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پایمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

دیکھ لے جوڑا اسپنتی جب وہ جسم یار میں
پھولے کیوں سرسوں نہ چشم نرگس بیمار میں

آتش رنگ حنائے رقص میں رکھتی ہے یہ
سیکڑوں بل پڑ گئے موئے میان یار میں

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے
تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے

خوب موزوں ہم سے وصف قد بالا ہو گیا
عالم بالا تک اپنا بول بالا ہو گیا

اس پری کی سرد مہری نے رلایا جب مجھے
اشک جو ٹپکا مری آنکھوں سے ژالہ ہو گیا

خوش ہوا بھولے سے جب دل غم وہیں یاد آ گیا
قہقہہ ہونٹوں تلک پہنچا کہ نالہ ہو گیا

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب ایسا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

شوق سیر زم بیابان جنوں اب کیجیے
دانۂ زنجیر سے بھی استخارہ ہو گیا

یاد کشتی میں جو آیا وہ دُر دریائے حسن
دھار خنجر کی مجھے گنگا کا دھارا ہو گیا

جی لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا
بجھتا ہے چراغ آج سر شام ہمارا

ایسا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہوگا
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

اس کی ایڑی سا اثر کا ہیکو رکھتا ہے سہیل
گل سے بھی خوشبو زیادہ کفش کا گل ہو گیا

پاس ہوں لیکن نہ دیکھا ایک دن مکھڑا ترا
تیرہ بختی میں تو میں بھی مثل کاکل ہو گیا

آسماں پہنچا نہیں سکتا حسینوں کو ضرر
کب لگا سکتی ہے بجلی ماہ کے خرمن میں آگ

ہے ضرر گر دوست سے بھی ہو زیادہ اختلاط
شبہ ہے اس میں تو دیکھو ڈال کر روغن میں آگ

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

دیکھنا مہندی ملی اس سیمبر کی انگلیاں
سیم کا سارا بدن ہے اور زر کی انگلیاں

سلوائے مرے سینے کے کیوں زخم نہ قاتل
ان راہوں سے میرا دل بسمل اسے جھانکا

دل ملک انگریز میں جینے سے تنگ ہے
رہنا بدن میں روح کو قید فرنگ ہے

کرتے ہیں طائران معانی کو صید ہم
خامہ ہمارے ہاتھ میں گویا تفنگ ہے

گویا کہ ہے دہن مسی آلودہ یار کا
اس درجہ ہائے میرا سیہ خانہ تنگ ہے

کوے جاناں دیکھ پائے گل تو گلشن چھوڑ دے
نکہت گل بھی صبا کا بلکہ دامن چھوڑ دے

جب میں چاک اپنے گریباں کی طرح کرنے لگا
قیس چلایا مرے صحرا کا دامن چھوڑ دے

اس پری کی سرمگیں آنکھیں ہیں کیونکر ہوں دوچار
دیکھ کر مجھ کو نہ کیوں پلکوں کی چلمن چھوڑ دے

کیا چمکتے ہیں پر یر دتیرے گوہر کان میں
ہے یقیں ایسا نہ ہوگا کوئی جوہر کان میں

بو تری زلفوں کی جاتی ہے جو اکثر کان میں
میل ہو جاتی ہے رشک مشک و عنبر کان میں

میرے نالے سن کے یہ تاتھا کبھی دل میں تو رحم
روئی اب رکھنے لگا ہے وہ ستمگر کان میں

تیرے جاتے ہی ہوا رنگ چمن ہو جائے گا
برگ گل جو ہے وہ برگ یاسمن ہو جائے گا

بام پر نکلے نہ آؤ تم شب مہتاب میں
چاندنی پڑ جائے گی میلا بدن ہو جائے گا

روز روکے داغ گنتے ہیں ہم ہجر یار کے
یہ قطرہ ہائے اشک ہیں دانے شمار کے

ہو جائیں خوب لال بھبھوکا سے ہاتھ پاؤں
مہندی لگا کے باندھیے پتے چنار کے

باندھوں میں تیغ ابروے خمدار کا خیال
یوں تو نہ کٹ سکیں گے یہ دن انتظار کے

عریاں دیکھ کر جو لپٹنے کو میں ہوا
تیوری چڑھائی آپ نے کپڑے اتار کے

اس کے بدن کو ہاتھ لگاؤں یہ کیا مجال
ہے مختتم جو بوسے ملیں پشت خار کے

ہے یہ ہیں تدبیر نادان عالم اسباب میں
ناو کاغذ کی بہائیں جیسے اطفال آب میں

جلوۂ دندان جاناں آنواہوں میں ہلاک
مجھ کو قسمت نے ڈبویا موتیوں کی آب میں

رات بھر تڑپے فراق یار میں ہم اس قدر
پڑ گئے چھتے ہزاروں چادر مہتاب میں

سالکوں کو کوئی آفت سدِ رہ ہوتی نہیں　　مچھلیاں پھنسنے نہ دیکھیں حلقۂ گرداب میں
کھب گئی رنگت سنہری یوں دلِ بیتاب میں　　جس طرح سے ڈوب جاتا ہے طلا سیماب میں
شمع ساں منہ ہے جو اس صیاد ماہی گیر کا　　دوڑی آئیں جتقدر تھیں مچھلیاں تالاب میں
پڑ گیا ہے چشمِ ساقی کا کہیں دریا میں عکس　　ورنہ یہ گردش کہاں سے آ گئی گرداب میں
یار کی شیریں ادائی کا جہاں میں شور ہے　　پور جو انگلی کی ہے وہ نیشکر کی پور ہے
مثلِ پروانہ عجب کیا گر جلے اس کا پتنگ　　رشتۂ شمعِ آتشِ رنگِ حنا سے ڈور ہے
طوطی ہے گفتار میں گانے میں موسیقار ہے　　کبک وہ رفتار میں ہے ناچنے میں مور ہے
رات دن تن پروری ناحق ہے دشمن پروری　　گوشت سارا ایک دن رزقِ دہانِ گور ہے
ہوئی یاں آمد و رفتِ نفس بند　　قبا کے اس قدر ظالم نہ کس بند
گل ہی کیا مجروح ہے تیغِ نگاہِ یار کا　　ہر کلی پر بھی ہے پھاہا مرہمِ زنگار کا
ہو گیا ہوں فرقتِ جاناں میں ایسا ناتواں　　توڑنا مشکل ہوا ہے آنسوؤں کے تار کا
کر گئی ہے ہمیں اک مست کی ٹھوکر بیہوش　　صورتِ نقشِ قدم رہیے نہ کیونکر بیہوش
میں مجور رونے کو غمِ ہجر میں کل بیٹھ گیا — اڑا اڑا کر رہیں گردوں کا محل بیٹھ گیا
سیلاب رواں ہے چشم ترے ہر دم　　سوتے نہیں اک آن شبِ ہجر میں ہم
کس طرح پلک پلک سے لگ جائے کبھی — ملتے نہیں دریا کے کنارے باہم
رہنے کو عجب مکاں ملا ہے اے یار　　ہر سمت سے خاک آتی ہے واں لیل و نہار
کرتا ہوں کسی خط میں میں نامہ تحریر — ہو جاتا ہے بعد لکھنے کے خطِ غبار
تصویرِ صنم میں کمرا ہے کلکِ ازل　　پنہاں ہے نگہ سے یا نگہ کا ہے خلل
جز عالمِ غیب کون جانے یہ راز — لکھے مولیٰ پڑھے خدا سچ ہے مثل

12/6 خواجہ وزیر، وزیر تخلص، وطن مبارکش لکھنؤ است، شاگرد رشید ناسخ و استاد فقیر محمد خاں، رسالہ دارد، گویا تخلص، غزلہایش دیدہ ام، سراپا مرصع، چند شعر کہ

بیادداشت مینویسیم:

جالور جو ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے — اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے
چومتا ہوں لب شیریں وہ خفا ہوتا ہے — کیا تنکر رنجی جاناں میں مزا ہوتا ہے
کیا کہوں حال صنم اپنی سیہ بختی کا — میں وہ سرمہ ہوں جو نظروں سے گرا ہوتا ہے
پوچھے اب دہن زخم سے میرے اکدن — پھل میں تلوار کے قاتل جو مزا ہوتا ہے
وہ زلف بیتی ہے تاب و دل ناتواں اپنا — اندھیری رات میں لٹتا ہے کارواں اپنا
کسی کو دیکھ کے ساقی جو بیحواس ہوا — شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

یک مطلع از فقیر محمد خاں، گویا کہ صاحب دیوانست یاد دارم، بہ حیز تحریر میگذارم: 13/1

کان میں بالا گلے میں طوق اور زنجیر ہے — کیا پری حسن منفید کی کھچی تصویر ہے

مرزا محمد رضا، تخلص بہ برق، مردم پر اخلاص ذوی استعداد در بلدۂ لکھنؤ مورد 14/3
اعتماد، شخص وضعدار شجاعت شعار باوقار است، شاگرد ہندی زبان، بسیار دارد،
از اوائل مشورہ را بشیخ امام بخش عبداللہ ناسخ مے آرد۔ دو یک شعر اوکہ گوش خوردہ
طرح تحریر مے نہم:

پییں نہ محو تجلیٔ اگر شراب ملے — نہاں طور کو ممکن نہیں کہ آب ملے
ٹیکے میرے دل پر داغ کو وہ کہنے لگے — ہم نے طاؤس پہ گلدار کبوتر مارا
سینے کی سبزۂ خط کو نہیں حاجت ہے برقؔ — چاندنی کے کھیت کو کیا احتیاج آب ہو

میر علی اوسط، رشک تخلص از شاگردان معتمد حضرت شیخ عبداللہ، ناسخ و از پسران 15/2
میر حسن دہلوی صاحب مثنوی۔ کلامش لطیف و مضمونش تازہ، بالفعل در کانپور تشریف
میدارد، اکثر شریک مشاعرۂ مرزا برق مے شد، چوں کارکن و استاد امین الدولہ مہر تخلص
پسر مہین نواب معتمد الدولہ مرحوم است در لکھنؤ گہگاہ رونق افروز میشود۔ دو شعر از
غزلش یاداست:

مہندی لگا کے باندھے جو پتے ارنڈ کے   ہم بدگمان سمجھے کہ ہے ہاتھ ہاتھ میں
منظور ہوئے گر یہ قدرت کا پشت خار   سہلا کے رکھیے آپ مرے ہاتھ ہاتھ میں

16/15 مرزا کلب حسین خاں، نادر تخلص بہ ہنگامیکہ در لکھنؤ بہ مصاحبت امیرے بود از خواجہ حیدر علی، آتش اصلاح میگرفت و باز در الٰہ آباد از شیخ ناسخ یک سال شاگردی کرد، دریں روزہا بنواح نمازیپور است:

دل میں ہوس زلف چلیپا نہیں رکھتے   ہم سر نہیں رکھتے کوئی سودا نہیں رکھتے
ہم دیکھ لیا کرتے ہیں اے جاں زرہ دل سے   گو روزن دیوار کو (تم) وا نہیں رکھتے
فرقت میں دھیان دل کو ہے اس رشک ماہ کا   مہتاب بن گیا ہے دھواں دود آہ کا
بہر خدا انوا کے رسن زلف کھینچ لے   مدت سے میں غریق ہوں غبغب کے چاہ کا
اس طرح لب پہ یار کے جلوہ (ہے) خال کا   کوثر پہ جیسے ہووے نشیمن بلال کا
دست و بازو پہ نہ تکلیف دے اے یار عبث   تجھ پہ ہم مرتے ہیں خود کھینچ نہ تلوار عبث
اپنے اشکوں کی لڑی پر ہوں میں نازاں..   تو دکھاتا ہے مجھے موتیا کا ہار عبث
... ہمارا دل شیدا نہیں ہوتا   جب سلسلۂ زلف چلیپا نہیں ہوتا
... مجھے دیکھ کے وہ رشک مسیحا   بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا
... ہوئے سودائی ہوئے جان سے گزرے   جی جب کہ الجھتا ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا
..... کان کا جو گوہر آفتاب   .. ترے سپہر کے سب اختر آفتاب
اعلیٰ کو اسفلوں سے پہنچتا نہیں گزند   شبنم سے ایک دن بھی نہ دیکھا تر آفتاب
موباف سے تمامی کے بیتاب برق کی   دکھلایا رخ جو تم نے ہوا مضطر آفتاب
قد رکس درجہ بڑھاتا ہے طلا زنجیر کی   آرزو رکھتا ہے اب اس کا گلا زنجیر کی
رہا جو رات کو وہ سبزہ رنگ چھاتی پر   ہرے ہوئے مرے زخم خدنگ چھاتی پر

خواجہ حیدر علی، آتش از شاگردان نامی میاں مصحفی کہ الحال درآں دیار امتیاز و

اعتبار دارد بلکہ مانند ماہ منیر نامش روشن و چوں زبانۂ آتش شعلہ زن است۔ اشعار منتخب از اوست:

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا ۔۔۔ جو دیدہ دے تو نظارہ ہوا ایسے سنبلستاں کا
سودا ہوا ہے مرغ جنوں کے شکار کا ۔۔۔ پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا
تشبیہہ نئی طرح دوں زلف رسا کو ۔۔۔ اترا ہوا چلہ کہوں ابرو کی کماں کا
جگہ مطلع کے کھچوائیں گے نقشہ روئے جاناں کا ۔۔۔ کہ تا ہو مطلع خورشید مطلع اپنے دیواں کا
یہ کس رشک مسیحا کا مکان ہے ۔۔۔ زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
سرمہ منظور نظر ٹھہرا جو چشم یار کو ۔۔۔ نیلگوں گنڈا پنھایا مردم بیمار کو
تیر بیوں سے نہ رکھا امید استمداد کی ہرگز ۔۔۔ نکالا ناخن پا نے کہاں خار کف پا کو
نہ منصف ہوں کبھی میں نے پڑھا جو سورۂ یوسف ۔۔۔ تو بخشا پھر ثواب اس کا دمیں روح زلیخا کو
تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا ۔۔۔ ذرا سنبل کو ٹھکرایا تو ہوتا
اکڑنا بھول جاتا سرو شمشاد ۔۔۔ یہ (قد) بوٹا سا دکھلایا تو ہوتا

۱۸/۱ دوست علی، نام خلیل تخلص از شاگردان رشید آتش است فی الجملہ مقرب و معتبر است:

ساملا کرتا ہے تیغ ابروئے خمدار کا ۔۔۔ آئینہ پہنے ہے کیا چار آئینہ فولاد کا

۱۹/۱ ہدایت علی، جلیل تخلص از تلمیذان آتش است، بسیار خوب میگفت، اکنوں بہ فقیری مائل است:

کنشت دل کو مرے کعبۂ خلیل کیا ۔۔۔ ذلیل تھا یہ خدا نے مجھے جلیل کیا

۲۰/۲ شاہ محمد علیم، الہ آبادی کہ در دانست فارسی بے ہمتا و زہد و فقیری یکتا بود، ہر دو زبان میگفت، حیرت تخلص داشت:

آئینے سے جب گرمی بازار کرے ہے ۔۔۔ عکس اپنے کو اپنا ہی خریدار کرے ہے

ہے خندۂ لب سے تو عیاں وصل کا اقرار　　پر چشم کی چشمک تری انکار کرے ہے
سن کر کے خبر تیری مسیحا نفسی کی　　تو آپ کو مردہ کوئی بیمار کرے ہے

۲۱/۲۱ مولوی غلام یٰسین خاں، مدظلہ، خاں تخلص، از عمدۂ ذوفنونان روزگار و سر کردۂ ہنرمندان با اعتبار، شخص فاضل و مردم کامل، لاسیما در علم ریاضی و قواعد اعداد و فن رمل بے بدل۔ پنج شش کتاب از تالیفات با صواب اوست۔ کسب علوم در بنارس و لکھنو کردہ و در سن ہیجدہ سالگی اکثرے از کمالات بدست آوردہ۔ با فقیراں و وضع درویشاں اختلاط دارد و با طلبہ و مسکیناں ارتباط۔ از خاک پاک الٰہ آباد است و استاد من ہیچکارۂ بے بنیاد۔ فارسی و عربی و ہندی نیکو میداند۔ اشعارش دل را محظوظ میگرداند۔

اگر یہی ہے تپ غم سے مرے تن میں آتش　　کیا عجب ہے جو بھڑک اٹھے کفن میں آتش
استخواں یوں مرے جل جل کے چٹکتے ہیں پڑے　　جس طرح سے کہ لگے بانس کے بن میں آتش
رخ بھبھوکا سا جو بے خبروں کو دکھایا تو نے　　اس شرارت سے لگی میرے بدن میں آتش
خاں دل سوختہ کی دل میں نہیں گر اخگر　　پھر کہاں سے یہ نکلتی ہے سخن میں آتش
یاد روئے یار میں فرصت کسے تقریر کی　　ہے تصور اس قدر حاجت نہیں تصویر کی
منہ سے تو ہنستے ہیں لیکن کرتے ہیں نشتر زنی　　ہیں جو یہ ابرو کماں رکھتے ہیں خصلت تیر کی
گر نہ ہوتی چشم عاشق ہوتی شمع حسن گل　　دیکھ لو آنکھوں سے آنکھیں شکل ہیں گلگیر کی
منہ چھپانے کی جو تم نے زلف سے تدبیر کی　　ہم سے دیوانوں کو پھر خواہش ہوئی زنجیر کی
گر نہ رکھوں آرزو ظالم تری تصویر کی　　دل لگی ہو کس طرح مجھ عاشق دلگیر کی
آہ و نالے روز و شب کے ہو گیا سن کر خفا　　شاہ واہ اے آہ و نالو زور یہ تاثیر کی
سوتی سے خستہ خاطر و عریاں بدن ہوئے　　ناحق وطن کو چھوڑ کے ہم بے وطن ہوئے
واللہ ایک بات نہ نکلی زبان سے　　ناحق کو تنگ ہم سے وہ غنچہ دہن ہوئے
جب دکھائی نہ دیا باغ میں دلبر ہم کو　　صورت آہ نظر آیا صنوبر ہم کو

شوقِ دیدار تراد یکھ ازل سے حق نے — آئینہ تجھ کو بنایا تو سکندر ہم کو
نخلبندِ چمنستانِ محبت نے صنم — پھول کا تم کو دیا خار کا بستر ہم کو
دل بیمار کہے ہے نفسِ سرد سے خاں — گھر میں گھبراتا ہے جی لے چلو باہر ہم کو
یہ خلق کہتی ہے میرا جو داغ جلتا ہے — کسی شہید کا دیکھو چراغ جلتا ہے
زندگی باقی ہے تو مجنوں کے مسکن جائینگے — منصبِ وحشت رہا باقی تو ہم بن جائیں گے
لوگ کہتے ہیں مجھے شادی تو کر — وہ مثل ہے غم نداری بز بخر
تیری آمد جب سنیں کانوں سے اے مہپارہ ہم — چوبِ مژگاں سے بجادیں چشم کا نقارہ ہم
برسات میں پائی جو خبر تیرے سفر کی — اُلٹی سی ٹپکی ہے پلک دیدۂ تر کی

شاہ محمد اعلیٰ مبرور مغفور، نجف تخلص، پسر مہین شاہ محمد علیم الله آبادی شعرِ فارسی ۲۲/۶
نیز بسیار خوب و مرغوب بجا اساتذۂ زباندان فکر مینمود، بزبان ہندی دیوان و مثنویہا
دارد۔ شاگرد تقی، میر است:

دیکھنا تجھ کو بھر نظر ہم کو محال ہو گیا — ایک جگہ کا بیٹھنا خواب و خیال ہو گیا
لگتا نہیں ہے جی اپنا ہم جا کے جہاں بیٹھیں — جاویں تو کہاں جاویں بیٹھیں تو کہاں بیٹھیں
جو قطرہ اشک کا موتی تھا سو گلگوں ہوا میرا — تری باتوں سے اے ظالم کلیجا خوں ہوا میرا
غم گھن کی طرح سے لگا کھانے مرے دل کو — یہ روگ دیا کیسا خدا نے مرے دل کو
کرے کوئی اطلاع اس جانِ جاں کو — بھلایا مجھ غریب و ناتواں کو
دانت اس کے جب اس بہار کے ہوں — دانت کھٹے نہ کیوں انار کے ہوں

مظلوم شاہ صاحب سلمہ الله تعالیٰ، مظلوم ملزم المقطع، مردم کہنہ مشق و جہاندیدہ، ۲۳/۶
شیریں کلام، کلیم آسا خدائے جلّ و علیٰ ید بیضا بلسانش عطا گردانیدہ۔ موطن مبارکش در
قرب و جوار بارہہ، از مدتہا بہ ایں اطراف آمدہ، چندے بسیر و صحبت لکھنؤ گذرانیدہ و از
عمرے سکونت پذیر الٰہ آباد گردیدہ۔ مشورۂ شعرش بمصحفی بود:

کلیم عصر ہوں کتنا ق سر لن ترانی کا　　چراغ (طور) ہے مطلع مرے دیوان ثانی کا
شب تصور میں جو اس کا مصحف رخسارہ تھا　　حافظ قرآن میرا یہ دل سیپارہ تھا
کشتہ ہے جہاں دفن تری فندق پا کا　　سبزے کی جگہ اگتا ہے واں نخل حنا کا
زلف آشفتہ نہ چھو نا شانۂ تیرہ دروں　　جمع اسباب جنوں ہے رایگاں ہو جائیگا
تحت الثریٰ سے دیکھا تا عرش لامکاں ہے　　حیراں ہوں یا خدایا میرا مکاں کہاں ہے
خال آشنا ہے دیدۂ جادو طراز کا　　ہندو نیچے سے رام ہے آہو حجاز کا

۲۴/۵ میر زین العابدین مرحوم متوطن الہ آباد بیمار تخلص، دیرگاہ سر رشتہ دار عدالت الہ آباد بودہ، در آخر منشی خاص نائب والی لکھنؤ نواب فضل علی خاں شدہ۔ چوں کارش برہم خورد و رخت ہستی بعالم بقا بردباز بوطن آمدہ، بیکار نشستہ، بی مغلانی عمۂ نواب مغفور دیگر　طلب کرد، در فرخ آباد بعارضۂ فالج درگذشت۔ خدایش بیامرزد۔ غالباً شاگرد میر باشد۔

آئینہ صاحب ہوا شانے کی بن آئی　　بگڑی مری اور سارے زمانے کی بن آئی
زبان رات جو اس کی مرے دہن میں رہی　　تو صبح تک وہی ہر اک سخن میں رہی
یوں چمکتے ہیں وہ دنداں لب خنداں کے تلے　　جس طرح سلک گہر لعل بدخشاں کے تلے
وقت مرنے کے یہ صیاد سے بلبل نے کہا　　دفن کیجو مجھے دیوار گلستاں کے تلے
نعش بیمار پہ قاتل بھی کھڑا (۱) روتا تھا　　لب نازک کو دبائے ہوئے دنداں کے تلے

۲۵/۱۰ مرزا اعظم علی بیگ، اعظم تخلص از ساکنان بلدۂ ارم بنیاد الہ آباد سخنش پاکیزہ و چست و عبارت و مضمونش بہتر و درست، مدت ایام بصاحبت صاحبان ہنر و صحابت کسان پر جوہر بسر ساختہ و بشعر گوئی ہوسہا در باختہ۔ فصاحت کلامش از برکت مصحفی است، یعنی شاگرد آتش است:

قطع کی مذکو رشرگاں نے حقیقت تیر کی　　بات کاٹی ابروؤں کے ذکر نے شمشیر کی

حرفِ چند

ابن امین اللہ طوفان کا تذکرۂ شعرا قاضی صاحب نے ۱۹۵۴ء میں اپنے قائم کردہ ادارہ تحقیقاتِ اردو کے سلسلہ مطبوعات کی پہلی کتاب کے طور پر شائع کیا۔ تذکرہ کا قلمی نسخہ خدابخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ مصنف نے تذکرہ کا کوئی نام نہیں رکھا ہے۔ خود اپنا نام بھی نہیں لکھا البتہ والد امین اللہ طوفان کا ذکر اس تذکرے میں موجود ہے۔ اسی سے قاضی صاحب نے تذکرہ کے سرورق پر ابن امین اللہ طوفان درج کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصنف عظیم اللہ رغمی کے بھائی تھے اور یہ کہ یہ تذکرہ ۱۲۴۷ھ د ۱۲۵۱ھ کے درمیان لکھا گیا۔

اس تذکرہ کی اشاعتِ اول (۱۹۵۴ء) کے آخیر میں ایک غلطنامہ (ص ۸۸) بھی شامل تھا، موجودہ ایڈیشن میں اُن ہدایات کے پیش نظر اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس لیے اب وہ غلطنامہ کا صفحہ موجودہ ایڈیشن سے نکال دیا گیا ہے۔

قاضی صاحب نے یہ تذکرہ ۱۹۵۴ء میں مرتب کیا۔ ۱۹۸۱ء آتے آتے پھر وہ کہنے لگے تھے "اب میرا خیال ہے کہ اس کا امکان بھی ہے کہ خود رغمی نے یہ تذکرہ (تذکرۂ ابن طوفان) کا لکھا ہو"

(انتخاب رغمی مرتبہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ ص ۳۷)

ہوشیارانہ یہ دیوانوں نے کیا تدبیر کی — اس پری رو تک ہی پہنچائی صدا زنجیر کی
لوگ کیا چین سے سو رہتے ہیں ساری شب کو — ہم ہیں اور بستر غم گنتے ہیں تارے شب کو
بیسوے گے کس کے دل کو تم اے جاں دم خرام — اپنا تو کام پاؤں اٹھاتے ہی ہو گیا
بادۂ گلرنگ ہو شیشے میں ساغر ساتھ ہو — باغ ہو برسات کا موسم ہو دلبر ساتھ ہو
سنتے ہیں آتا ہے قاتل سیر زنداں کے لیے — عید قرباں کی خوشی ہووے جو خنجر ساتھ ہو
واہ ری رزاقی رزاق و شان پرورش — طفل پیدا ہو تو پیدا شیر........
خلد میں گندم کے ہونے سے ہمیں ثابت ہوا — آدمی ہووے جہاں رزق مقدر ساتھ ہو
مرجاں بھی اپنا پنجہ دانتوں سے کاٹتا ہے — یاقوت لب کے آگے ہونٹوں کو چباتا ہے
روز روشن سامنے میرے سیہ تا دیر تھا — دھیان تیری کاکل شبرنگ کا اندھیر تھا

٢٦/٥ مولوی ذاکر علی، مسکنش بلدۂ محمد آباد بنارس، ذاکر تخلص، مرد قابل و خلیق ہندی و فارسی ہر دو میگوید۔ کلامش وضع خود دارد، بہ نقلش مے پردازد:

آگ ہوا وہ شمع تجلی غیروں کے بھڑکانے سے
کام ہے اب آغوش میں لینا سیکھیں گے پروانے سے
شیشہ ٹوٹا یار سدھارا وحشت ہے پیمانے سے
اے دل کب تک تنہا رہیے اٹھ چلیے میخانے سے
خام خیالی ہے گردوں کی کیا کیا بن کے بگڑتے ہیں
چشم زدن میں خواب ہوئے ہیں کیا کیا لوگ زمانے سے

یا تو مرہم کر عطا مجھ خستۂ دیدار کو — یا بدل دے یا الٰہی سینۂ افگار کو
غسل میت اشک سے لیلیٰ نے مجنوں کو دیا — لے گئے آنکھوں پہ آہو لاش قیس زار کو

٢٧/١٠ میر عباس، عرفان از سرزمین پر تمکین لکھنؤ است۔ چند سال رفت کہ در بنارس اقامت دارد و بہ مصاحبت شاہزادہ ایام میگذارد۔ طبیعتش را چہ بگویم چہ قدر جولانی

است، وشعرش بغایت آبداری و روانی :

ظالموں کا مسکنوں کے دل میں گھر ہوتا نہیں — آب گوہر سے کبھی پیدا اگر ہوتا نہیں
دوست دشمن ہیں برابر چرخ کج رفتار کو — پھول دیتا ہے سپر کو اور پھل تلوار کو
اس قدر آپ کو دور اے بت خونخوار نہ کھینچ — پاس آ چھاتی سے لگ جا ابھی تلوار نہ کھینچ
میں نخل حنا ہوں جو کہیں سر مرا کٹ جائے — خوں دست بدست اپنا تو ہاتھوں میں بٹ جائے
آہستہ ہنسیں گل سر بالیں پہ ہمارے — تنہائی کی شب ہے نہ کہیں نیند اچٹ جائے
دوشنبے کا نہ کرو موا اس کر وعدہ نہ منگل کا — بت ہے پیر آج ہی آ بھروسا ہے کسے کل کا
چاہت کا حرف میرے دہن سے نکل گیا — وہ گل بدن تو اپنے بدن سے نکل گیا
کس نے نکالا کوچے سے او بانش کے تئیں — وہ بدچلن تھا اپنے چلن سے نکل گیا
جا کے گلشن میں سے دو پھول اڑا لا دے گی — ہم اسیروں کے لیے تحفہ صبا لا دے گی
سر اٹھا دیں گے نہ غنچے ترے آگے اے گل — نرگس آنکھوں سے ترا حکم بجا لا دے گی

28/1 قادر لکھنوی، استاد میر عباس عرفاں حالش معلوم نیست، مطلعیکہ بمن رسید محرر گردید:

ندامت بیدلی نے دی مجھے اس طالب دل سے — نگہ ہوتا ہے شرمندہ تہی دستی میں سائل سے

29/3 محمد صادق، اختر قاضی زادۂ ہگلی است چندے در عہد خلد مکاں نواب غازی الدین حیدر خاں در لکھنؤ ملازم سرکار فلک وقار ماندہ، چنانچہ مناقب حیدریہ در آن ہنگام تالیف فرمودہ، بالفعل در ضلع کانپور تحصیلدار است، فارسی و ہندی ہر دو زبان بہتر میداند:

گر پردہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا — جلوہ ہر ایک ذرے میں ہو آفتاب کا
اک پل میں غرق آب ہو ماہی سے ماہ تک — طوفاں اگر اٹھے مری چشم پر آب کا
خراب آباد عالم پر خطر تھا اس لیے ہم نے — عدم کی راہ پر جا کر اتارا کارواں اپنا

علی حسین خاں اندوہ از شاگردان مصحفی بسیار خوب میگوید۔ از غزلش دو شعر یافتم۔ ۳۰/۲

حسرت نہ مرے دل کی کبھی یار نکالی   تلوار تو یوں تو نے کئی بار نکالی
جس نخل نئے کشتہ ہے اس رنگ مسی کا   سوسن کی کلی اس نے کئی بار نکالی۔

بحر تخلص از متوطنان فیض آباد است۔ دریں جزو زماں در لکھنؤ برفاقت علی حسین ۳۱/۱
خاں، اثر فرزند کہیں نواب حیدر بیگ خاں مرحوم است:

کیوں خفا ہو مری خطا کیا ہے   کچھ تو بولو یہ ماجرا کیا ہے

مرزا حاجی فرزند ارجمند مرزا جعفر کہ منشی رزیڈنٹ لکھنؤ بود، مہر تخلص مینماید ۳۲/۱
ایں شعر ہندیست۔ واللہ اعلم

عجب نصیب اور ہماری قسمت خفا جو ہم سے تو بے سبب ہے
یہ کیا غضب ہے جو تو غضب ہے ترا غضب تو بڑا غضب ہے

سعادت یار خاں، رنگیں، ریختی گو کہ دریں عہد ناقدرداں وآوان ناپرساں بجا بکسواری ۳۳/۱
ملازم نواب ماندہ است

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے   مجھ کو تنہائی میں پہروں خفقاں رہتا ہے

میر تقی، ہوس بہ لکھنؤ شخصے مشتاق بود، مضمون سوز و گداز میگفت، روزے چند ۳۴/۱
است کہ ازیں دہر ہوس رفت

جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے   آگ لگ اٹھنے کا غل روز وہاں رہتا ہے

مولوی انور علی مولوی عدالت آرہ یاس، ورائے کمال و مہارت علم موسیقی ۳۵/۲
شعر ہندی و فارسی میفرمایند:

دشمن جاں تو ہمارا ہو گیا   ہائے کیا سمجھے تھے اور کیا ہو گیا
رنگ زرد و خشک لب چہرہ اداس   یاس یہ کیا حال تیرا ہو گیا

ناطق از رؤسائے بنارس است، در قصبۂ سید پور تھانہ دار بود، کم گوست، ۳۶/۱

اما کس نیکو ست، پیش ما غزلہا خواند یک مطلع بیاد ماند:

دیکھ کر ہوتی ہے حیرت ہم کو چشم یار سرخ   آج تک دیکھا نہ رنگ مردم بیمار سرخ

۳۷/۲ جناب والد ماجد خودم کہ امین اللہ نام وطوفان تخلص دارند، بگوش من اسا دست
نیوش از غزل دو شعر است، رنگ تسطیر میریزم اگرچہ گہگاہ فکر میفرمایند، لیکن سحر حلال
مینمایند۔ و لہ ہذا

تھا بجا دل سے الجھنا اپنی طبع تیز کا   ہو گیا پابند آخر زلف عنبر بیز کا
ایک ٹھوکر تو لگا ان خفتگان خاک کو   ہے بہت شہرہ لب شمس الحق تبریز کا

۳۸/۵ میر محمد مہدی، ہادی تخلص از عمائد شہر پُر نور جونپور خلق برگزیدہ و وضع سنجیدہ دارند
آشنائے درستہ اند کہ دوراں را بضغطۂ سہو نمیگذارند و دریں روزگار بے بنیاد در
اکبر آباد بخدمت عموئے خود شان کہ آن بزرگوار وکیل صدر دیوانی ہستند تا تحصیل
علوم ساختہ سوائے کمالات ذاتی و صفاتی خاطر را از تفکرات زمانہ پرداختہ، دست و پا
در بحر فکر اشعار و مضامین ہم میزنند دبرائے اصلاح بحضور افاضت گنجور شیخ ستاند ہندیاں
ناسخ زبان باستاں روانہ میکنند:

گر شب عید جدا مجھ سے وہ ہمدم ہو جائے   ماہ شوال مجھے ماہ محرم ہو جائے
ہار پھولوں کا پڑا ہے جو گلے میں اے گل   کیا عجب گردن نازک کو تری خم ہو جائے
بینی منبر ہے تو رخ کعبہ ہے ابرو محراب   ذقن اس بت کا الٰہی چہ زمزم ہو جائے
ہو گئیں بادام آنکھیں اور ذقن اس گل کا آم   لب تو شفتالو ہوئے اور سیب غبغب ہو گیا
ملنے تاثیر نزاکت وصل کی شب اے صنم   نیلگوں بوسے کے صدمے سے ترا لب ہو گیا

۳۹/۵ رضا تخلص میرزا کلب حسین خاں، نادر کہ او صافش بالا گذشت از غزلہایش
پنج شعر است:

ہوائے فصل دے ہے ابر ہے پھولوں کی خوشبو ہے   چمن ہے یار ہے سبزہ ہے صہبا ہے لب جو ہے

شب ہجر صنم (ہے) نیند کیا آئے مجھے یارو — قلق ہے رنج ہے غم ہے رواں آنکھوں سے آنسو ہے
گل رخسار جاناں کی طرح ہرگز کسی گل میں — نہ رنگت ہے نہ رونق ہے نہ خوبی ہے نہ خوشبو ہے
نہیں ہے زلف پیچاں پنجۂ گلرنگ جاناں پر — نظر آتا ہے لپٹا صاف کالا شاخ مرجاں پر
جو ابرو کا اشارہ تم کرو گے غیر کی جانب — گلا رکھ دوں گا میں اپنا دم شمشیر براں پر

از تلامذۂ معزز و رشید اسوۂ اساتذہ شیخ ناسخ، مولوی محمد بخش، شہید تخلص ۴۰/۱
رنگیں طبیعت و ذہن سلیم و رائے رزیں یافتہ و عناں را بوادی طرز عاشقانہ تافتہ۔ بندہ
کلامش در مشاعرہ ہا شنیدہ مگر یک مطلع جاگیر حافظہ گردیدہ:

صبح سے لے کر شام تلک جاناں تم کو زیبائش ہے — شانہ ہے مشاطہ ہے آئینہ ہے آرائش ہے

عبد اللہ، سوزش تخلص خلف حکیم مرزا احید رصاحب، اصل مولدش شہر لکھنؤ از چند ۴۱/۵
سال در بنارس توطن اختیار کردہ:

سرخی پانوں کی جو لبہائے کماندار میں ہے — لالی تو میرے لہو کی لب سوفار میں ہے
تیر نگہ پردہ نشیں دل پہ لگا ہے — اس واسطے زخم اس کا دکھا(یا) نہیں جاتا
دنبلہ ہے تیرا عکس تیرا رخ انور آب میں — پیدا ہوا ہے یا کہ کوئی اختر آب میں
ہیں بہر زیب پہنے جو اس بحر حسن نے — دریا سے بھی نکل کے رہے گوہر آب میں
سوزش کو جل کے شدت گریہ میں دیکھ لے — دیکھا نہ ہوئے جس نے کبھو اخگر آب میں

حواشی

۱ یہ بڑا مبالغہ ہے کہ درد "جمیع علوم وفنون" میں "یگانہ" تھے ۲ رباعی اے درد الخ کتبخانہ مشرقیہ پٹنہ کے قلمی نسخہ ہائے دیوان اور دیوان مطبع نولکشور میں نہیں، لیکن تذکرۂ میر حسن و گلزار ابراہیم وغیرہ اور مطابع کبیری و محمدی و نظامی کے نسخوں میں ہے۔ مصرع ۲ تذکرۂ میر حسن میں یوں ہے اور دوسری جگہوں میں بھی ان کی بہ نسبت اس سے قریب تر: دیکھا تو عجب یہاں کا لیکھا ہم نے۔ مصرع ۳ باستثنائے ن ہر جگہ یوں؟ بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ، ۳ قطعہ ہم یہ الخ، اور اشعار ۵ و ۶ و ۹ و ۱۰ ن کے سوا کہیں اور نظر نہیں آئے۔ ۴ سکتے الخ ناموزوں ۵ اک مرتبہ الخ یہ رباعی بہ تبدیل بعض الفاظ میر کی ہے (رجوع بہ آوارہ) ۶ شعر ۱۱ کا مصرع ۲ ہر جگہ بہ استثنائے ن مصرع ۱ ہے۔

۷ دیوان درد کی نسبت قائم[1] نے مخزن نکات[2] میں لکھا ہے کہ "قریب ہفصد شعر از نظر گذشتہ" شورش[3] نے اس کے اشعار کی تعداد "قریب" "ہزار" بتائی ہے اور مبتلا[4] کا بیان ہے کہ اشعار ہزار سے متجاوز نہیں، حسن[5] اور علی ابراہیم[6] خاں کا بیان ہے کہ دیوان "مختصر" تھا،

---

۱ قائم عرصہ تک درد کے شاگرد رہنے کے بعد سودا کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے تھے ۲ نام تاریخی ۱۱۶۸، لیکن آغاز اس سے قبل اور تذکرے کے موجودہ نسخے کا اتمام اس کے بعد ہوا تھا ۳ نسخہ آکسفرڈ، سال اتمام بقول مصنف تذکرۂ مسرت افزا ۱۱۹۱ھ ۴ مبتلا کے بیان کے مطابق گلشن سخن ۱۱۹۴ھ کی تصنیف ہے ۵ تذکرۂ میر حسن کا ایک نسخہ میرے پاس ہے جس کے خاتمے میں ۱۱۸۹ھ تاریخ تصنیف لکھی ہے، لیکن آغاز اس سے قبل ہوا اور بعض نسخوں میں اس کے بعد کی بعض باتیں بھی مندرج ہیں ۶ گلزار ابراہیم اواخر مائۃ دوازدہم میں مکمل ہو گیا تھا، لیکن بعد کو اضافے ہوئے جو بعض نسخوں میں موجود ہیں۔

لیکن، خاتمۂ دستور الفصاحت[7] میں ہے کہ "دیوان اوہم مثل دیگراں ضخیم بودہ، روزے متوجہ شدہ، قریب یکہزار و پانصد شعر مع رباعیات انتخاب کردہ، باقی را پارہ نمودہ، بہ آب شست حالا ہر چہ رواج وارد ہمیں منتخب دیوانست" شاد عظیم آبادی کچھ اور کہتے ہیں: "استاد (فریاد) فرماتے تھے کہ .. درد کا اردو دیوان بھی سودا و میر کے دیوان سے کم نہ تھا، مرہٹوں کی لوٹ مار کے زمانے میں توپ کا گولا حضرت کے گھر پر ایسا گرا کہ کتبخانے میں آگ لگ گئی۔ حضرت کی نایاب کتابیں اور حضرت کے والد ماجد، شاہ نام، عندلیب .. کا کلام اور حضرت کے چھوٹے بھائی (اثر) کا کلام .. سب .. جلکر خاک ہو گئے۔ اب جو مختصر سا دیوان .. ہے وہ لوگوں نے سنی سنائی غزلیں جو جمع کر رکھی تھیں اس کا (کذا) مجموعہ ہے۔ کلام کا تلف ہو جانا، چوروں کا چرا لینا، آگ لگ کر جل جانا .. اس خانوادے کی میراث میں داخل ہو گیا ہے۔ حضرت اشکی[8] و حضرت جمال کے ضخیم دیوان ریختہ و فارسی .. معدوم ہو گئے .. استاد .. کے حجیم اردو فارسی کلام کی قریب قریب یہی حالت ہوئی .. دیکھیے ان کے نام لیواؤں کے کلام کی کیا نوبت ہوتی ہے۔ چرانے والوں نے قریب قریب تین حصوں کو دبا ہی لیا، آگے اللہ مالک ہے" (حیات فریاد صفحہ ۱۶۶)۔ قائم وغیرہ کے اقوال سے قطع نظر، یہ دور از قیاس ہے کہ درد کا دیوان ضخیم رہا ہو اور اس کا بڑا حصہ انھوں نے خود ضائع کر دیا ہو۔ علم الکتاب مصنفۂ درد کی ایک عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو: بندے نے کبھی شعر بدوں آمد کے اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا، اور بہ تکلف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا، کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں کہی، کبھی فرمائش یا آزمائش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا (مقدمۂ دیوان درد مطبع نظامی ص ۱۱)۔ رہا کتبخانے پر گولے کا گرنا اور اس کا تباہ ہو جانا، تو یہ میخانۂ درد میں بھی نہیں جو نام نذیرؔ فراق مرحوم کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں کہ درد و عندلیب و اثر کے تصانیف بالکل ضائع ہو گئے۔

---

[7] زمانۂ تحریر ربع ثانی مأۃ سیزدہم۔ [8] اشکی فریاد کے حقیقی ماموں اور جمال رشتے کے ماموں تھے، شاد نے اس کے برعکس لکھا ہے۔

درد کا دیوان فارسی اور تقریباً کل تصانیف نثر شاد کے دوران حیات ہی میں طبع ہو چکے تھے، اور دوسرے مقامات کے علاوہ خود پٹنہ میں (کتبخانۂ مشرقیہ) ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ عندلیب کے نالۂ عندلیب (نسخۂ مطبوعہ ۸۰۰ صفحوں پر مشتمل مقدمۂ دیوان درد صـ۳) کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اثر کا اردو دیوان اور مثنوی خواب وخیال بھی چھپ چکی ہے، گو ان کا زمانۂ انطباع وفات شاد کے بعد ہے۔ یہ کس طرح باور کر لیا جائے کہ یہ سب باقی رہا لیکن، درد کا اردو دیوان جو بقول مصنف تذکرۂ مسرت افزا "مشہور بین الجمہور" تھا ضائع ہو گیا۔ شاد کی عبارت کے آخری حصے پر غور کرنے سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ حکایت کیوں وضع کی گئی ہے۔ شاد کا یہ دعویٰ بھی کہ اشکی، استاذ الاستاذ شاد درد کے شاگرد تھے صحیح نہیں، عشقی عظیم آبادی نے انھیں اپنا شاگرد لکھا ہے۔ رہے جمال تو ان کا شاعر ہونا بھی ثابت نہیں۔

۸ دیوان اردو کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں، لیکن اب تک کسی ایسے نسخے کا پتا نہیں ملا جو مصنف کے عہد کا ہو۔ قدیم ترین مطبوعہ نسخہ دہلی میں ۱۸۴۷ء میں چھپا تھا۔ اسے صہبائی نے اشپرنگر کی فرمایش سے مرتب کیا تھا اور اس نے اپنی فہرست میں اس کی تعریف بھی کی ہے (صـ۲۰۰)۔ ایک نسخہ مطبع محمدی لکھنؤ کا ہے جو عہد واجد علی شاہ (سال جلوس ۱۲۶۳ھ) کا ہے۔ پیش نظر نسخہ (کتبخانۂ مشرقیہ) بدقسمتی سے ناقص الآخر ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا سال انطباع کیا ہے۔ مطبع کبیری سہسرام کے نسخے کا حال جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اپنے ایک خط میں یوں لکھا ہے: "مطبع کبیری ۔۔کا نسخہ ۔۔کلیات۔۔ ہے۔۔ فارسی کلام ۔۔جوف میں اردو ۔۔ حاشیے پر ۔۔ خاتمۃ الطبع میں دو تاریخی قطعے ہیں۔ پہلے کے تیسرے شعر سے تاریخ طبع کتاب ۱۲۶۱ نکلتی ہے"۔ لیکن دوسرے قطعے میں مادہ ہے "ہمہ درد عشق را آمد دوا دیوان پیرما" ۱۲۶۷۔ یہ طباعت ختم ہونے کی تاریخ ہے، جیسا کہ اس شعر کے پہلے مصرع سے واضح ہوتا ہے: "پے تاریخ اتمامش سروش غیب بشنیدم" یہ کلیات صـ۱۳

پر ختم ہوتا ہے اور صفحہ ۱۳۷ سے ۱۳۸ تک خاتمۃ الطبع اور پھر ۲ صفحے کا غلط نامہ" بدایونی نسخے کے مقدمے میں ۱۸۵۵ء کے ایک نسخے کا ذکر ہے۔ مختلف مطابع نے دیوان اردو کو اپنے اپنے طور پر بہت بار طبع کیا ہے، لیکن حال کے نسخوں میں سب سے اچھا مطبع نظامی بدایوں کا نسخہ ہے جس کے مصرعوں کی مجموعی تعداد ۳۵۸۲ ہے۔

۹۔ تذکروں میں درد کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو دیوان کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں میں نہیں: تذکرۂ میر حسن طبع ثانی میں ذیل کے ۳ اشعار ہیں:

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں　　موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں
ایدھر بھی اہل بزم توجہ ضرور ہے　　کچھ کچھ کہے ہے شمع بھی اپنی زبان میں
یاراں بیاں کرے ہے نکات تنزلات　　سطریں لکھے ہے برق تجلی کی شان میں

گلزار ابراہیم (نسخۂ کتبخانۂ مشرقیہ پٹنہ یونیورسٹی) میں حسب ذیل اشعار ہیں:

گلی سے تیری کوئی ایک بار نہ ہو گیا　　کہ نقد دل کے تئیں وہ غریب کھو نہ گیا
سنا ہے خواب میں لوگوں کے تو تو آیا تھا　　ہزار حیف کہ میں بے خبر بھی سو نہ گیا
ہمارے سامنے اے درد بھولے چوکے بھی　　کبھو وہ دور سے ہو جائے سو بھی ہو نہ گیا

ممکن نہیں وصل میں بھی عاشق　　آرام سے یاں رہا کرے گا
جوں شمع غرض فلک کے ہاتھوں[1]　　کوئی نہ کوئی جلا کرے گا
پروانے کی طرح میرے پیارے　　جس دم کہ تو خوش ہوا کرے گا
ناداں یہ وہ بزم ہے کہ جس میں　　معشوق ہی تو کہا کرے گا
آمان مرا کہا دوا لے　　عاشق ہو کسی کو کیا کرے گا
اے درد نہ سمجھیو کہ دوراں　　دو دل کو خوش ایک جا کرے گا

ساقی ہمیں پلا کوئی پیالہ شراب کا　　جلوہ تو دیکھیں بارے ہم اس آفتاب کا

۱۔ نسخۂ کتبخانۂ مشرقیہ میں جوں الخ پروانے الخ کے بعد اور آمان الخ ندارد۔

دریا سے دیکھنے تجھے نکلا تھا ایک دم — خانہ خراب ہو گیا وو ہیں حباب کا

حیرت میں ہوں میں تیری نشیں ای شب وصال — ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب

جب مانگتا ہوں تجھ سے میں ساقی شراب صاف — دیتا ہے تب تجھی کو یہ تلخی جواب صاف

بچ گیا دل جو ایک بار کہیں — پھر نہ دوں اس کو زینہار کہیں

زور بھڑکی ہے دل میں آتش عشق — لے خبر چشم اشکبار کہیں

کہتا ہے مرے نالۂ جانسوز کو سن کر — دیکھے کوئی شاید یہ وہی سوختہ ہے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے — درد بے اختیار اٹھتا ہے

ہے بگولا غبار کس کا درد — یہ جو ہو بیقرار اٹھتا ہے

زلف کھاتی ہے بل ادھر اس کی — دل ادھر پیچ و تاب کرتا ہے

میں تو کہتا ہوں بات پردے کی — کیوں تو اتنا حجاب کرتا ہے

اے دل تو مجھے لیے کدھر آیا تو — آخر اس سنگدل کے گھر آیا تو

کہتے ہیں تجھے تو ناتواں بھی سارے — اے خانہ خراب پھر ادھر آیا تو؟

اے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو — بیدرد بہت تو نے رلایا مجھ کو

اک دل ہے بساط میں سو کرتا ہوں نثار — لے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو

کوچے میں ترے جب آ کے بیٹھ گئے — اتنا رو دیے کہ چشم تر بیٹھ گئے

جس سمت کو بھر نظر اٹھا کر دیکھا — مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

اے درد الخ تذکرۂ مسرت افزا میں بھی ہے، اور اس کے بعد کی رباعی درد کی نہیں ہدایت، شاگرد درد کی ہے (رجوع بہ آوارہ) ۔ درد کے سو اشعار جو انھوں نے اثر کو عطا کر دیے تھے، جیسا کہ خود اثر نے لکھا ہے، مثنوی خواب و خیال میں موجود ہیں، مگر اثر کے اشعار میں اس طرح مخلوط کہ یہ پتا نہیں چل سکا کہ درد کے اشعار کون سے ہیں۔

۱۰ محمد تقی نام، میر تخلص۔ سیادت۔ تذکرۂ شورش (نسخۂ آکسفرڈ) میں ان کی ۲

قاضی صاحب نے تذکرہ کے آغاز میں ایک فہرست دی ہے جو اہم شعرا پر مشتمل ہے۔ یہ فہرست بہ ترتیبِ ابجد/ الفبا نہیں ہے بلکہ اس طور پہ ہے کہ تذکرہ کے پہلے صفحہ پر درد کا ذکر آیا ہے پھر میر کا، تو پہلا نمبر درد کو دیا گیا، دوسرا میر کو، تیسرا نمبر سودا کو دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ اگلے صفحہ پر آتا ہے؛ اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ ہم نے اس فہرست کو الفبائی ترتیب میں بھی دے دیا ہے تاکہ استعمال میں آسانی ہو سکے۔ فہرست کو مزید سود مند بنانے کے لیے ان شعرا کا ذکر قاضی صاحب کے اپنے حواشی میں بھی جہاں جہاں ہے، ان صفحات کا حوالہ متن کے صفحہ نمبر کے بعد دیا گیا ہے۔

تذکرے کا متن ۱۹ مطبوعہ صفحات میں آیا ہے اور قاضی صاحب کے حواشی و ملحقات حواشی اگلے ۸۶ صفحات میں۔ آخر میں (۸۶ - ۸۷) ڈیڑھ صفحوں پر مشتمل مفردات و مرکبات اور استعمال ہیں؛ جو انکے حسبِ دستور صفحات ۱-۱۹ میں یعنی جیسے جیسے ملتے چلے گئے، دیتے چلے گئے ہیں۔ انکی بھی ہم نے الفبائی ترتیب کر دی ہے تاکہ بہتر استعمال ہو سکے۔

(ع ر ب)

سیادت سے انکار کیا گیا ہے، مگر یہ خود مدعی سیادت ہیں ۱۱ وطن (اور ظاہراً مولد بھی) اکبرآباد تھا، اس میں شبہے کی گنجائش نہیں۔ میر عنفوان شباب میں دہلی گئے تھے، لکھنؤ جانا ۱۱۹۶ھ میں ہوا ("کچھ میر کے بارے میں" از راقم، نقوش لاہور ۱۹۸۳ء) ۱۲ چھدایا کان الخ کلیات میر (طبع نولکشور، مرتبۂ آسی) میں نہیں اور نہ جہاں تک میرا علم ہے اس تذکرے کے علاوہ کہیں اور میر کے نام سے لکھا گیا ہے، لیکن، خیال عظیم آبادی نے کسی سند کے بغیر اسے میر ضاحک دہلوی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کی ذاتی شہادت کا عدم و وجود برابر ہے ("میر ضاحک دہلوی" از راقم طنز و ظرافت نمبر علیگڈھ میگزین) ۱۳ شعر ۵ مصرع ۲ کلیات میں تو کی جگہ تک ۱۴ شعر ۷ مصرع ۱ کلیات میں مرقع کی جگہ مصور ۱۵ قطعہ کل پا الخ کلیات میں یوں ہے:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا — یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

۱۶ میر کا کلیات ان کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا قلمی نسخے بھی ملتے ہیں، مگر کلیات سودا کے مقابلے میں کم۔

۳ ۱۷ نام محمد رفیع ۱۸ نواب فرخ آباد احمد خاں بنگش (متوفی ۱۱۸۵ھ) کی مدح کلیات سودا میں ہے، لیکن وہ در اصل مہربان خاں، رند دیوان نواب کے متوسلین سے تھے۔ قائم کا قول ہے: "مرزا .. سودا برفاقت وزیر الممالک .. در .. فرخ آباد رسیدند، خان موصوف (مہربان خاں) مرزائے موصوف را برفاقت خود گرفتند" (مخزن نکات ص ۵۵) ۱۹ کلیات پہلی بار مطبع مصطفائی دہلی نے چھاپا۔

۴ ۲۰ نام محمد میر ۲۱ سودا سے قبل ہی فرخ آباد پہنچ گئے تھے (مخزن ص ۵۵) وفات احمد خاں بنگش کے بعد فیض آباد اور وہاں سے لکھنؤ گئے ۲۲ شعر ۳ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے میر تخلص تھا، نکات الشعرا میں حرف یہی تخلص دیا ہے۔

۲۳ شعر ۲ آخر کا مصرع ثانی در اصل مصرع اول ہے (تذکرۂ مسرت افزا صلا۱۰
۲۴ سوز کا دیوان اب تک نہیں چھپا ہے، مگر مطبوعہ انتخاب موجود ہے۔

۵ ۲۵ نام غلام ہمدانی ۲۶ مولد بقول مصحفی یلم گڈھ (حاشیۂ خاتمۂ دستور الفصاحت صد ۹۳) ۲۷ شعر ۲ مصحفی کے دیوان اور کلیات سودا دونوں میں ہے۔ (تفاصیل آدارہ)

۶ ۲۸ تخلص انشا۔ ولادت مرشد آباد، جہاں سے وہ لڑکپن (عہد میر قاسم) ہی میں رخصت ہو گئے۔ اس کا ثبوت موجود نہیں کہ اس کے بعد بنگالہ کی سیر کی ۲۹ حیدر آباد کے بارے میں راقم کا مقالہ مصحفی و انشا ۳۰ شعر اول نظیر کا ہے (رجوع بہ آدارہ)
۳۱ شعر ۳ کلیات:

۳۲

آبخورے برف کے انشا کو بھیجے آپ نے　　اس کے یہ معنی کہ تو نقشہ تمہارا جم گیا

۳۳ کلیات کے مخطوطات بہت ملتے ہیں، قدیم ترین مطبوعہ نسخہ وہ ہے جو محمد حسین آزاد کے اہتمام سے شورش ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل ان کے والد کے مطبع میں چھپا تھا۔

۷ ۳۴ نام نور الاسلام ۳۵ قلمی نسخہ دیوان کتبخانہ ندوۃ العلما لکھنؤ میں ہے، حسرت موہانی نے انتخاب دیوان شائع کیا ہے۔

۸ ۳۶ نام قلندر بخش، عرف یحییٰ مان یا یحییٰ امان ۳۷ زاد بوم لکھنؤ نہیں، دہلی ہے، معاصرین نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے قطع نظر، خود جرأت اس مثنوی میں جس کا موضوع خواجہ حسن اور بخشی کا معاشقہ ہے کہتے ہیں:

شروع داستاں کا ہے یہ مذکور　　کہ ہے اک شہر فیض آباد مشہور
ہوا تھا شہر دہلی جب سے غارت　　تھی اپنی اس جگہ میں استقامت
فلک نے کر جہاں آباد برباد　　کیا تھا خوب فیض آباد آباد
تو جو تھے ساکنان شہر دہلی　　سکونت ان کی فیض آباد میں تھی (کلیات)

۳۸ قطعہ "کوئی الخ" کلیات (کتبخانۂ مشرقیہ) میں نہیں ۳۹ شعر ۴ مصرع ۱: کلیات ہم نو آہ۔ کلیات میں بھی "جینا" لیکن یہ "جیتا" ہوگا ۴۰ شعر ۵ مصرع ۱: "اور جواب مرگ کو ہم زندگی سمجھے تو بس" ۴۱ شعر ۶ مصرع ۱: کلیات "جرات سمجھے" ۴۲ شعر ۱۱ مصرع ۲: کلیات "آئیں گے جی آئیں گے الخ" ۴۳ شعر ۷ جرأت کا نہیں، یہ اختلاف بعض الفاظ آبرو کا ہے (تفاصیل آ شارہ)

۴۴ جرأت کی وفات بقول مشہور ۱۲۲۵ھ میں ہے، لیکن صحیح ۱۲۲۴ھ ہے۔ اس کے متعلق میرا ایک مضمون اردو میں (غالباً ۳۷ء میں) چھپ چکا ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد دیوان کمال، شاگرد جرأت (نسخہ رامپور) اور دیوان نوازش لکھنوی (کتبخانۂ مشرقیہ) کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ان سے بھی ۱۲۲۴ھ کی تصدیق ہوئی۔

۴۵ کلیات جرأت کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں، لیکن دیوان مطبوعہ لکھنؤ ان کے کلام کے بہت ہی مختصر حصے پر حاوی ہے۔ حسرت موہانی نے اور شعرا کی طرح ان کے دیوان کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔ ۴۶ جرأت کے ایک شاگرد حقیقت (ایدر محسن صاحب سراپا سخن کے صنمکدہ ہیں (مطبوعہ) میں جرأت کے اشعار مختلف مقامات پر نقل ہوئی ہیں، یہ اشعار ان کے خصوصیات کلام کو اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں، اس لیے درج ذیل ہیں:

بلا جوڑے کی بندش اور قیامت قد و بالا ہے — غضب جوبن ستم ٹھہرا بدن سانچے میں ڈھالا ہے
پڑی ہے بزم میں جس شخص پر نگاہ تری — تو منہ کو پھیر کے کہتا ہے وہ پناہ تری
جو دل کہے ہے کہ اس پاس بن بلائے چلو — تو ہم یہ کہتے ہیں کہ تو حرمت اس میں بجائے چلو
چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا — دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

رنگ بھبھوکا ہے نت ملا کم اور کچوں میں سختی ہے
سینے سے لے ناف تلک اک صندل کی سی تختی ہے

شب فرقت کی حقیقت کوئی کیا جانے ہے / جس خرابی سے کٹی رات خدا جانے ہے

ضبط کر کر ہم قلق کو دل میں پچھتائے بہت / منع بیتابی کیا پر اس میں دکھ پائے بہت

ظاہر ہی کر دیا مرے سوز نہاں کو / جوں شمع آگ لگ گئی میری زبان کو

عزیز وصل میں بھی ہم جو رو رو کر نہ سوتے تھے / سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے

غیروں کے ساتھ یوں مے گلرنگ تو پیے / ایسا جو پھر کرے تو ہمارا لہو پیے

فلک کو دیکھ کے اس کا جو ہم نے نام لیا / گرا تھا عرش بریں پر خدا نے تھام لیا

قدم میں ناتواں جب اسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں / تو شکل نقش پا ہر سر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

کبھو فریاد اس در پر جو ہم بدنام کرتے ہیں / تو کہتا ہے کوئی کہدو کہ آپ آرام کرتے ہیں

گالیاں دینے لگے نام مرا لیتے تم / کچھ مری چاہ کے کھلتے ہی کھل کھیلے تم

ملاپ کیونکے ہو دونوں کے دل قفس میں ہیں / جنھوں کے بس میں ہیں ہم وہ پرائے بس میں ہیں

ہجوم داغ نے کی جسم پر یہ گلکاری / کہ پہنے ہے تن عریاں لباس پھلکاری

یوں وہ آنکھوں میں کہے ہے جب کہ رو دیتا ہے کوئی / پھوٹ پھوٹ اتنا نہ رو بدنام ہوتا ہے کوئی

9 ۴۷ نام نصیر الدین۔ ۴۸ شعر ا مصرع ۲ "ڈاکے" غلط ہے، میری رائے میں اس کی جگہ "ٹانکے" ہوگا ۴۹ شعر ۲ مصرع ا تذکرۂ قاسم میں یوں ہے: چڑھائی چادر مہتاب شب میکش نے گردوں پر ۵۰ شعر ۳ مصرع ۲ ناموزوں ۵۱ شعر ۴ دیوان ذوق میں بھی ہے؛ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دیوان نصیر میں بھی ہے یا نہیں۔ ۵۲ نصیر کا کلیات غیر مطبوعہ بہت ضخیم ہے اور اس کا ایک نسخہ کتبخانۂ رضائیہ رامپور میں موجود ہے۔ دیوان کی جو دو مختلف اشاعتیں معرض طبع میں آئی ہیں، کلام کے بہت ہی مختصر حصے پر حاوی ہیں۔

10 ۵۳ محمد ابراہیم نام ۵۴ چاروں شعر دیوان ذوق میں نہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ذوق کے ہیں یا نہیں ۵۵ ذناسی لکھتا ہے کہ ذوق کا تذکرۂ شعرا اور

دیوان بوترو صاحب کے پاس تھا (جلد ۳ ص ۳۳۹)۔ تذکرے کا ذکر دتا سی کے سوا کسی نے نہیں کیا، رہا دیوان تو وہ بوترو کے ہند سے جانے کے بعد چھپا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ ذوق نے اپنی زندگی میں دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔ دتا سی نے دھرم نراین (کسی اخبار کے مدیر) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذوق کے اشعار ایک لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ ذوق پُرگو ضرور تھے، مگر یہ مبالغہ ہے۔

۵۶ عبداللہ نام کہیں اور نظر نہیں آیا، مگر محض اس بنا پر اسے غلط نہیں کہا جا سکتا۔ 11

۵۷ آزاد نے رنجی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ناسخ کا مولد لاہور تھا، میں اپنی رائے کسی اور موقع پر ظاہر کروں گا ۵۸ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ ناسخ تنہا، شاگرد مصحفی سے اصلاح لیتے تھے اور بعض کا بیان ہے کہ مصحفی کے تلامذہ میں تھے میرے نزدیک مصنف کا قول صحیح ہے۔ بعض اصحاب کا یہ دعویٰ کہ خود مصحفی نے اپنے تذکرے میں یا کہیں اور ناسخ کو اپنا شاگرد لکھا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔

۵۹ ایک مشاعرے میں خواجہ۔ (آتش) نے مطلع پڑھا:

سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار میں نیل کا گنڈا پنھایا مردمِ بیمار میں

شیخ.. (ناسخ) نے کہا سبحان اللہ، خوب فرمایا ہے: "سرمہ.. یار میں نیلگوں.. بیمار میں" خواجہ صاحب نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا جائے استاد خالیست۔ آزاد کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بیمار میں گنڈا کیونکر پنھاتے ہیں، گنڈا بیمار کو پنھاتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ تعجب شیخ کے مطلع کا ہے (شعر ۸ اس اختلاف کے ساتھ کہ ردیف "میں")

(آبِ حیات طبع سنہ ۱۹۱۷ء ص ۳۶۹) آتش و ناسخ دونوں نے اس زمین میں بکثرت اشعار کہے ہیں اور کلیاتِ مطبوعہ میں ردیف "کو" ہی ہے۔ دونوں استادوں کے دیوان آبِ حیات کی تصنیف سے بہت قبل چھپ چکے تھے اور چار دانگ ہند میں رائج تھے۔ دیوان کی طرف رجوع کیے بغیر اعتراض جڑ دینا نہایت غیر ذمہ دارانہ روش ہے۔

۶۰ شعر ۱۳ مصرع ۱: کلیات "دل پر داغ کی ہے بیقراری ظاہر اشکوں سے" ۶۱ شعر ۱۶ مصرع ۱: کلیات "پاس . . چہرہ ترا" ۶۲ شعر ۲۶ مصرع ۱: کلیات "تیری ایڑی" الخ ۶۳ شعر ۴ مصرع ۲: کلیات "ہوجاتا ہے" ۶۴ رباعی آخر مصرع آخر: کلیات میں "خدا"، ان میں "خود آ"۔

۶۵ ناسخ کے کل اشعار بہ استثنائے شعر ۴ (آبرو الخ) و ۱۱ (ہاتھ الخ) کلیات میں موجود ہیں۔

۶۶ کلیات ناسخ پہلی بار مطبع مولائی لکھنؤ نے ۱۲۶۲ھ میں شاہزادہ فرخندہ بخت کی فرمائش سے شائع کیا تھا۔ اس کے خاتمے میں مرقوم ہے: "دیوان اول مسمّٰی بدیوان ناسخ در متن و دو دیوان دوم مسمّٰی بدفتر پریشاں برحاشیہ و دیوان سوم مسمّٰی بدفتر شعر در ہر ردیف ملحق بدفتر پریشاں" ص ۴۰۰۔ یہ نسخہ کمیاب ہے، مگر کتبخانۂ ادارۂ تحقیقات اردو میں موجود۔ اس کے متعلق جناب سید مسعود حسن رضوی کا ایک مضمون بھی رسالۂ شاعر آگرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ پتا چلانا ممکن نہیں کہ دیوان ۲ کی غزلیں کہاں پر ختم ہوتی ہیں اور دیوان ۳ کی غزلیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔

12 ۶۷ شعر ا مصرع ۱: دیوان "جو کہ طائر الخ" ۶۸ شعر ۳ مصرع ۱: دیوان "کوئی ہمچشم نہیں الخ" ۶۹ شعر ۵ دیوان میں نہیں، مگر آب حیات ص ۳۶۷ میں بھی وزیر کے نام سے ہے ۷۰ شعر ۶ مصرع ۱: دیوان "کسی کے آتے ہی ساقی کے یہ حواس گئے"۔

۷۱ کریم الدین کا قول ہے کہ ۱۸۴۷ء میں ۵۵ کے قریب عمر تھی، اس کی صحت یا عدم صحت کے متعلق فیصلے میں امور ذیل سے مدد ملے گی: کلیات ناسخ میں کدخدائی وزیر کی تاریخ "شده نوشہ وزیر من امروز" = ۱۲۲۷ درج ہے ص ۳۸۶ (کلیات میں بڑے بیٹے کی تاریخ ولادت بھی ہے: صبح طالع شد برآمد آفتاب = ۱۲۴۵ ص ۳۵۳)۔

مصحفی نے ریاض الفصحا (آغاز ۱۲۲۱ھ انجام ۱۲۳۶ھ) میں لکھا ہے کہ ناسخ کو وزیر پر "فخر" تھا۔ گلستان سخن میں جو شورش سے ۱۲۷۵ھ سے کچھ قبل طبع ہوا تھا مرقوم ہے کہ وزیر "مرد کبیر السن اور ریختہ گویان قدیم سے ہے۔"

۷۲ دیباچۂ دیوان وزیر میں ہے کہ یہ خواجہ بہاء الدین نقشبند کی اولاد سے تھے۔ اور ان کے نانا سیف اللہ بیگ خاں امیر الدولہ حیدر بیگ خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ مصحفی نے سیف اللہ بیگ خاں کو "از اقربا و رفقائے ... امیر الدولہ" لکھا ہے۔

۷۳ سعادت خاں ناصر نے اپنے تذکرے (انجام ۱۲۶۲ھ، بعد کو اضافے بھی کیے جو نسخہ پٹنہ میں ہیں) میں لکھا ہے کہ ایک دن میں لالہ فتح چند کے ساتھ وزیر کے یہاں گیا تو کہنے لگے کہ "اکثر" مجھے ناسخ پر ترجیح دیتے ہیں اور "بعض" برابر جانتے ہیں۔ میرا دیوان دلی گیا تو وہاں کے باتمیز اصحاب نے دیوان ناسخ کو "دھو ڈالا"۔ ناصر کا یہ بیان صحیح ہے یا غلط اس سے قطع نظر، گلشن بیخار، طبقات الشعرا اور گلستان سخن سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل دہلی وزیر کو ناسخ سے بہتر سمجھتے تھے۔ دہلی کے تذکروں میں ان کے اشعار بھی ناسخ کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ شعر ذیل جو گلستاں سخن میں ہے، دیوان مطبوعہ میں نہیں:

خاکساری ہے فقیری میں بھی مشکل ورنہ — پیرہن مٹی میں کس کو نہیں رنگ آتا ہے

وزیر کے اشعار ذیل بھی دیوان مطبوعہ میں نہیں، تذکرۂ ناصر میں ہیں:

رنج و راحت سے ہم کو کار رہا — ہاتھ میں گل تو پا میں خار رہا
کہتے ہوائے ماہ دیکھا ہم نے حالۂ خواب میں — آئیے آغوش میں سن لیجیے تعبیر کو

۷۴ کریم الدین یہ لکھنے کے بعد کہ وزیر "صاحب دیوان کلاں" ہیں، رقمطراز ہیں کہ پہلے ایک "بہت بڑا دیوان" تیار کیا تھا جسے کسی دوست یا شاگرد نے چرا لیا، اب ایک دوسرا دیوان مرتب کیا ہے۔ "کسی کو غزل نہیں دیتے جب تک چھپ کر مشہور

نہ ہو جائے " (اس بیان میں ایک سے زیادہ باتیں قابل قبول نہیں)۔ بیخود کا قول ہے کہ عہد ناسخ میں ضخیم کلیات تیار ہوا تھا مگر ضائع ہو گیا (کس طرح یہ بیخود نے نہیں لکھا)، اس کے بعد جو کہا جمع نہیں کیا۔ عبدالواحد خاں "مہتمم" مطبع مصطفائی کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے خود زمینیں تجویز کر کے غزلیں کہوائیں اور ان کی حفاظت کا کام اپنے ذمے لیا۔ ساتھ ساتھ ضائع شدہ کلام میں سے بھی کچھ فراہم کیا اور ان سب کو ایک مختصر دیوان کی شکل میں ترتیب دے کر وزیر کو دکھایا، وزیر نے پرانے کلام کو ناپسند کیا اور کہا کہ زمانہ دو مہینوں کی بھی فرصت دے تو حسب دلخواہ دیوان ہو جائے، لیکن اس کا موقع نہ ملا۔ (یہ غالباً ۱۲۶۳ھ کا واقعہ ہے، اس لیے کہ دیوان کا نام دفتر فصاحت ہے اور اس سے یہی نکلتا ہے۔) وزیر کی وفات کے بعد خان مذکور نے بیخود و محسن تلامذۂ وزیر کو ترتیب دیوان پر مامور کیا اور ان دونوں نے گم شدہ کلام میں سے بھی کچھ فراہم کیا۔ دیوان مطبوعہ ۱۲۷۲ھ (صرف ایک بار چھپا ہے) کا دیباچہ بیخود اور خاتمہ سرور مصنف فسانۂ عجائب کا لکھا ہوا ہے۔ خاتمے میں ہے کہ "ہزارہا غزل کہی... جمع کرنے کا دھیان نہ کیا، عمداً پریشان کیا"۔

۷۵۔ بیخود کا قول ہے کہ کلیات کے ضائع ہونے کے بعد شعر گوئی کا زیادہ شوق نہ رہا تھا، "اعمال فتوح اور علم تسخیر وغیرہ" میں لکھنؤ میں ان کا جواب نہ تھا، "نقش کی چال کی عادت ہو گئی تھی" اور شاعری سے بالکل نفرت، مہینوں تلامذہ کی اصلاح بند رہتی، مگر طبیعت ادھر آتی تو "لاکھوں مضامین لنڈھا گئیں یکسر کم مشقوں کی غزلوں میں بھر دیتے" کریم الدین کا بیان ہے کہ ۱۲ برس شعر نہیں کہا، پھر کہنے لگے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آتش نے انھیں "زک" دی تھی۔

۷۶۔ بیخود نے وزیر کے استغنا، توکل، فیاضی اور وضعداری کی تعریف کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ اپنی حاجت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، واجد علی شاہ

نے دوبار طلب کیا، مگر نہ گئے، بیماری کا عذر کر دیا۔ سرور نے لکھا ہے کہ "مرد قانع، وضعدار، غیور تھے .. بظاہر منحنی، مشت استخواں، باطن میں شیر ژیاں، مرد میداں"۔ بیخود یہ بھی کہتے ہیں کہ ..۱ روپے ماہوار سے کم خرچ نہ تھا، حالانکہ آمدنی کی ظاہرا کوئی صورت نہ تھی، لوگ "دست غیب کا احتمال" کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ "کہیں سے کچھ معیّن نہ تھا، بستردد معاش نہ ملتی، قناعت کے یہ معنی ہیں کہ اس پر تلاش نہ تھی۔ کچھ دنوں .. گویا سے صحبت رہی، گویا باہم شیر و شکر تھے، جلسے ہمد گر تھے، آخر کو شکر رنجی ہوئی، صحبت برہم ہو گئی، رہ و رسم کم ہو گئی، گوشہ نشینی میں سالہائے دراز اوقات بسر کی" ظاہر ہے کہ آمدنی کی کوئی صورت نہ ہونا اس زمانے کے بارے میں ہے جب گویا سے شکر رنجی ہو گئی تھی۔

۷۷ اشپرنگر نے تذکرۂ باطن کے حوالے سے وزیر کو دستور العمل کا مصنف لکھا ہے، لیکن تذکرے کے مطبوعہ نسخے میں اس کا ذکر نہیں۔ دتاسی نے تاریخ ادبیات ہندی و ہندستانی جلد ۳ طبع ۲ میں اس کا نام دستور العمل جاگیرداراں اور سال انطباع ۱۸۵۰ء بتایا ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ خواجہ وزیر اس کے مصنف ہوں۔

۷۸ وفات وزیر بر شب آدینہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ (دیباچہ)

۱۳ ۷۹ سربلند خاں آفریدی، "ساکن کوہار مقیم لکھنؤ" (سراپا سخن) صفیر نے جلوۂ خضر جلد ۲ میں کوہار (اس کا محل وقوع مجھے معلوم نہیں) کو گوالیار لکھا ہے، یہ صحیح نہیں، سوانحات سلاطین اودھ جلد ۲ ص ۲۷ میں مرقوم ہے کہ انھوں نے ناسخ[1] کو کوہار بھیجا تھا۔ صاحب صبح گلشن نے ملیح آباد وطن بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس قصبے میں عمارات رفیع اور بساتین وانہار جو ان کی "عظمت و ثروت" کے آثار ہیں ان کی اولاد کے قبضے میں ہیں۔ صغیر کہتے ہیں کہ لکھنؤ میں احاطۂ فقیر محمد خاں اور باغ فقیر محمد خاں مشہور ہے۔ صغیر کا قول یہ بھی ہے کہ انھیں "آموں کا بہت شوق تھا، نادر آم بڑے اہتمام

ـــــــ

[1] اس کا مفصل ذکر کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

سے لگائے تھے اور سنا ہے کہ دودھ اور شربت وغیرہ سے سینچے گئے تھے"۔ وطن اصلی کولہار ہو یا کوئی اور مقام، ملیح آباد سے ان کا تعلق ثابت ہے اور ان کے اخلاف (جن میں جناب جوش ملیح آبادی بھی ہیں) یہیں مقیم ہیں۔

۸۰ ۔ سنہ ۱۲۳۰ھ میں معتمد الدولہ آغا میر غازی الدین حیدر کے نائب ہوئے، اسی زمانے کے متعلق سوانحات ص ۲۱۳ میں مرقوم ہے کہ "فقیر محمد خاں نواب امیر خاں کے لشکر سے تازہ وارد تھے، سپاہی سمجھ کر ۳۰۰ روپے کی اسامی میر علی پناہ بنارسی کی دی" وزیر نے اپنی نظم (متعلق دیوان گویا) میں انھیں "رفیق جناب وزیر مکرم" کہا ہے؛ وزیر سے معتمد الدولہ مراد ہیں؛ غازی الدین حیدر جب ملقب بہ بادشاہ ہوئے تو معتمد الدولہ جو پہلے ان کے نائب تھے، وزیر کہلائے۔ معتمد الدولہ نے اپنے زمانۂ اقتدار میں فقیر محمد خاں کو رسالداری کے علاوہ "نظامت ملک" بھی دی (ص ۲۴۲)۔ نصیر الدین حیدر نے جب معتمد الدولہ کو قید کرنا چاہا تو انھیں ان کا خاص آدمی سمجھ کر کہلا بھیجا تھا کہ "ہم نواب کو قید کرتے ہیں، اگر کسی سوار نے تمھارے گھوڑے پر زین باندھا مجرم سرکار تم ہو گے۔ فقیر محمد خاں اس وقت مرغ کی بازی کی جوڑ دیکھ رہے تھے، چپکے گھر میں چلے گئے" (سوانحات ا ص ۲۹۲)۔ کلیات ناسخ میں ایک قطعے کا عنوان ہے: "تاریخ مجروح شدن دست فقیر محمد خاں بہادر" اس کے ۵ اشعار میں سے ۴ یہ ہیں:

سر دست خان ذیشاں چو رسید زخم از تیغ　　بعیادت وے آمد گل بوستان ایجاد
چہ گلے کہ زر ببخشد بہ کہ دہر زمانہ　　دُر بے بہا چو شبنم بدہد دم دہ و داد
گل بوستان احمد کہ بہ نکہت مدحتش　　شدہ برگ گل زبانم چہ کنم زیادہ انشاد
سر خود بجیب بردم چو بفکر سال صحت　　دل من بگفت ناسخ اثر قدم شفا باد

"اثر قدم شفا باد" مادۂ تاریخ ہے اور اس کے نیچے ۱۲۳۷ مرقوم ہے، لیکن اس سے ۱۲۳۳ نکلتا ہے۔ اسی موقع پر گویا کو خطاب "بہادری" ملا تھا (تاریخ محتشم معنفہ

شعرا کا اشاریہ

الفبائی ترتیب میں

آتش، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۲۹، ۳۲، ۴۵، ۴۶،
۴۹، ۵۰، ۵۶، ۵۷، ۸۱، ۸۵۔

اختر، قاضی محمد صادق، ۱۶، ۵۲، ۶۰ – ۶۵،
۸۰، ۸۵

اعظم، اعظم علی بیگ، ۱۴، ۱۵، ۵۶، ۵۷، ۸۰، ۸۵

اندوہ، علی حسین خاں، ۱۷، ۶۵

انشا، ۳، ۴، ۲۶، ۷۷، ۸۱

بحر، ۱۷، ۶۵ – ۶۷، ۸۰، ۸۵

برق، ۹، ۳۷ – ۴۳، ۷۳، ۷۴، ۸۶

بیمار، زین العابدین، ۱۴، ۵۵، ۵۶، ۷۹،
۸۰، ۸۴، ۸۵

جرأت، ۲۴، ۲۶ – ۲۸، ۵۲، ۷۱، ۷۷

جلیل، ہدایت علی، ۱۱، ۵۰۔

حیرت، محمد علیم، ۱۱ – ۱۳، ۵۱ – ۵۵، ۸۳

خاں، غلام یٰسین خاں، ۱۲، ۱۳، ۵۱ – ۵۵، ۸۳

خلیل، دوست علی، ۱۱، ۴۹، ۵۰۔

درد، ۱، ۲، ۳، ۴، ۲۴، ۷۷، ۸۱

ذاکر، ذاکر علی، ۱۵، ۵۷ – ۵۹، ۸۰، ۸۵

ذوق، ۵، ۲۸، ۲۹، ۷۷، ۸۱

رشک، ۹، ۴۳ – ۴۵، ۷۹، ۸۲ م

رضا، ۱۸، ۱۹، ۷۳

رنگین، ۱۷، ۷۰ م

سودا، ۲، ۲۱، ۲۵، ۲۶، ۵۲ م

سوز، ۳، ۲۵، ۲۶

سوزش، عبداللہ، ۱۹، ۷۶

شہید، محمد بخش، ۱۹، ۷۳ – ۷۶، ۸۰، ۸۶

طوفان، امین اللہ، ۱۸ م

عرفان، محمد عباس، ۱۵، ۱۶، ۵۹، ۸۵

قادر لکھنوی، ۱۶، ۵۹، ۶۰، ۸۰

گویا، فقیر محمد خاں، ۸، ۹، ۳۳ – ۳۷،
۷۷، ۷۹، ۸۲

مصحفی، ۳، ۴، ۱۰، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶،
۲۹، ۳۱، ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۵۷
۵۹، ۶۵، ۶۸، ۷۱، ۸۳ – ۸۵

مظلوم، مظلوم شاہ، ۱۳، ۱۴، ۵۴، ۵۵،
۷۹، ۸۳، ۸۴۔

محمد محتشم خاں، پسر نواب محبت خاں، نسخۂ کتب خانۂ مشرقیہ واقع کے تفاصیل شمارہ ۳۲ سے متعلق حواشی میں ملیں گے)۔ ناسخ کے ایک دوسرے[1] قطعے کا مصرع اول ہے: "داد حق پورے حسام الدولہ را" اس کے مصرعِ آخر: "ہست دلبند سعادتمند ایں" سے ۱۲۴۵ مستخرج ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قطعے کی تصنیف سے قبل حسام الدولہ کا خطاب مل چکا تھا۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ "باوجود ہجوم دنیا مائل و قدردان اہل ہر فن است" شعرا کی طرف خاص التفات تھا، اور مداح صلہ پاتے تھے ص ۱۶۵۔

۸۱ مصنف نے ترجمۂ وزیر میں انھیں استاد گویا لکھا ہے اور تلمذ ناسخ کا ذکر نہیں کیا۔ وزیر و گویا کے تعلقات گہرے تھے؛ مگر جیسا کہ سرور نے لکھا ہے اس کا خاتمہ تنکر رنجی پر ہوا۔ ناصر کا قول ہے کہ وزیر، فرخ اور غافل مدتوں گویا کی سرکار میں نوکر تھے۔ کریم الدین کا بیان ہے کہ پہلے ناسخ کے شاگرد تھے، ان کی وفات کے بعد وزیر سے اصلاح لینی شروع کی۔ محسن نے صرف تلمذ وزیر کا ذکر کیا ہے (سراپا سخن) اور صغیر بلگرامی نے اس پر قناعت نہ کر کے یہ لکھا ہے: "مشہور ہے کہ ان کا کلام بالکل.. وزیر کی چھٹی ہوئی غزلوں سے مرتب ہوا ہے" (جلوۂ خضر ۲ ص ۱۷۲)۔ وزیر نے ترتیب دیوان گویا کی تاریخ "ترتیب دیوان ہمایوں الٰہی" سے نکالی ہے (=۱۲۶۱ یہ دونوں کے دیوانوں میں ہے)۔ بستان حکمت (طبع ۱۲۸۰ھ) کے دیباچے میں گویا نے تحریر کیا ہے: "ایک روز بندہ اور خواجہ وزیر اور میاں فرخ شاعر کہ یہ دونوں شاگرد ارشد شیخ ناسخ صاحب کے ہیں اور چند احباب اور بھی باہم بیٹھے تھے اور اس وقت شغل انوار سہیلی کے مطالعے کا تھا.. اہل محفل نے اصرار کیا کہ .. اگر تم اردو میں اس کا ترجمہ کرو تو خوب تر ہو" ص ۷۔ رہا ناسخ و گویا کے تعلقات کا معاملہ، تو کلیات ناسخ میں جو نظمیں گویا سے سروکار رکھتی ہیں،

---

[1] کلیات میں عطائے شمشیر (واقعہ ۱۲۴۸) ص ۳۵، اور شفایابی (۱۲۵۰ھ) ص ۳۶۳ سے متعلق نظمیں بھی ہیں۔

ان کا ذکر ہو چکا ہے، ناسخ نے ترتیب دیوان گویا و ترجمۂ انوار سہیلی کی تاریخیں بھی کہی ہیں جو کلیات میں تو نہیں لیکن ان کتابوں میں موجود ہیں۔ بستان حکمت میں جا بجا ناسخ کے اشعار دیے ہیں اور کم از کم دو جگہ ص ۳۱ ص ۳۴ ایسے مقامات ہیں "ناسخ استاد" لکھا ہے۔ اعظم الدولہ سرور (بقول ذناسی) اور شیفتہ و ناصر نے گویا کو ناسخ کا شاگرد لکھا ہے، اور تلمذ وزیر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ قرینہ یہ ہے کہ ناسخ کی زندگی میں بھی وزیر سے مشورت رہی ہو، مگر باقاعدہ شاگردی کا اقرار نہ ہو۔ وفات ناسخ کے بعد صورت حال بدلی تھی یا نہیں اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن تلمذ وزیر کی خبر دہلی تک پہنچ گئی تھی۔ صفیر نے دیوان گویا کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق یا تکذیب کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں۔

۸۲ شعر گویا دیوان مطبوعہ میں نہیں۔ دیوان گویا کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا، مگر طبع اول بہت کمیاب ہے، مروجہ نسخہ مطبع نولکشور کا ہے۔ زمانۂ ترتیب اوائل عشرۂ پنجم مائۃ سیزدہم بتایا گیا ہے، لیکن دیوان مطبوعہ میں اس کے بعد کا بھی کچھ کلام ضرور ہوگا۔ انطباع دیوان کے بعد کے اشعار (ان اشعار سے قطع نظر جو بستان حکمت میں ہیں) کیا ہوئے؟ اس کا پتا نہیں چلتا۔ کریم الدین نے گویا کی پُرگوئی کی طرف اشارہ کیا ہے اور باطن جو دیوان کے مکرر مطالعے کے مدعی ہیں اسے "ضخیم" کہتے ہیں، مگر دیوان مطبوعہ جس میں قصائد بھی ہیں، ۳۵۰۰ سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل نہیں۔ اشپرنگر کی فہرست میں ایک قلمی دیوان کا حال لکھا ہے جو ۱۰۴ صفحوں (۲۰ اشعار ایک صفحے میں) کا تھا۔

۸۳ صفیر کا قول ہے کہ یہ مشہور ہے کہ فقیر محمد خاں نے اپنا تخلص خرید لیا تھا، ان کا یہ مصرع ان کے تخلص کی قیمت دے گیا: "تو تو گویا تھا کوئی بات بنائی ہوتی" (جلوۂ خضر ۲) مصرع اول یوں ہے: "گر ترے اٹھنے نہ دینے سے بگڑ بیٹھا وہ" (دیوان طبع ۱۸۸۲ء ص ۹۰)۔

۸۴ "ہمیشہ شیعوں سے لکھنؤ میں .. محرم .. میں ہنگامہ رہتا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ بہت متعصب سنی ہے، اکثر مباحثہ شیعوں سے ہوتا ہے" یہ کریم الدین کا قول ہے، مگر ناصر جو خود شیعہ ہے لکھتا ہے: "تمام اس کا آغاز سے خوشتر، جبکہ دو لتمند اب شیعۂ امیرالمومنین حیدر" یہ عبارت ٹھیک نہیں، لیکن ناصر کا مطلب ظاہر ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بستان حکمت میں خلفائے اربعہ کی مدح ہے۔

۸۵ ذیل کا فارسی شعر صبح گلشن میں ہے:

یار باغیر زبیش من دل سوختہ رفت   شعلۂ در دل آتشزدہ افروختہ رفت

۸۶ سراپا سخن مصنفہ ۱۲۶۹ھ میں گویا کو مرحوم لکھا ہے، اور صبح گلشن مطبوعہ ۱۲۹۵ھ میں مرقوم ہے کہ وفات کم و بیش ۳۰ سال قبل ہوئی۔ ۱۲۶۵ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے ہوں تو عجب نہیں۔

۸۷ برق کا ذکر ریاض الفصحا میں ہے، عمر "قریب بیس" لکھی ہے۔ ۱۴

۸۸ سوانحات سلاطین اودھ جلد ا ص ۳۲۹ میں ہے کہ جب قدسیہ محل زہر کھا کر مر گئیں (تاریخ محتشم میں ہے کہ یہ ۱۲۵۰ھ کا واقعہ ہے) تو نصیر الدین حیدر کے خیال میں آیا کہ "اگر چھوٹی بہن مرحومہ کی جو نواب دولھا کی جورو ہے راضی ہو تو اس میں کہاں تک عادت و خواص سگی بہن کے نہ ہوں گے، اس امر میں بہت سے دلالوں نے ہاتھ پاؤں مارے مگر اس زن باوفا نے ہرگز مفارقت اپنے شوہر کی قبول نہ کی، یہاں تک کہ اس کے شوہر کو ازراہ تنبیہہ شہر سے نکالدیا .. فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق اس کی حفاظت و سمجھانے کو ساتھ ہوئے کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ جناب میر سید علی . مرحوم سگے بھائی مجتہد العصر کے نواب کی طرف سے سمجھانیکو .. گئے بہزار جد و جہد اجتہاد نواب دولھا سے خلع دلوایا .. نواب نے بادشاہ سے عرض کیا اس عقدۂ مالایحل کا کھولنا انھیں کا کام تھا، وہ زن باوفا بند زندان رہی مگر راضی نہ ہوئی .. بھاگ کر کانپور میں اپنے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

شہر سے جا ملی؟۔

۸۹ تذکرۂ ناصر "مجمع اخلاق، معدن اشفاق، مرزا محمد رضا.. برق خلف الصدق مولانا.. مرزا کاظم علی.. طالب شعواہ، شاگرد رشید بلکہ قائم مقام.. ناسخ۔ خلق اور حلم میں مشہور انام دبیری اور سیر چشمی میں ضرب المثل میان خاص وعام" (ناصر نے کچھ باتیں شاعر ہم کی حال میں بھی لکھی ہیں، جو اس سے متعلق حواشی میں ملیں گی)۔

۹۰ مجموعۂ واسوخت مرتبۂ عیش لکھنوی؛ "جوان خوش رو، مہذب، باوضع، لاغر اندام، عالم شباب میں بڑے بانکے اور خانہ جنگ اور بہادر.. تھے، خلیق اور جگت آشنا"

۹۱ شہر آشوب کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ کے ہمراہ کلکتہ نہ جا سکے تھے، مگر وہاں جانا ضرور ہوا، بلکہ وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔ سوانحات جلد ۲ ص ۴۰۹ میں ہے کہ جب واجد علی شاہ قید ہوئے "بعد کئی دن کے.. برق مقرب خاقان، مرزا جعفر ان کے بھائی شریک حال ملازمین شاہی ہوئے، بعد کئی مہینے کے جب عوارض لاحقہ سے ان کا حال غیر ہوا، مردہ بدست زندہ ہو کر کوٹھی موچی کھولہ میں آئے، دو تین دن بعد مر گئے۔ میرا (میرزا؟) احمد سوداگر کے باغ میں دفن ہوئے، جب لکھنؤ سے چلے تھے، اکثر دوستوں.. سے کہتے تھے کہ ہماری مشت استخوان مشتاق خاک کلکتہ ہو رہی ہے، بہر حال اپنے حقوق ولی نعمی سے ادا ہوئے۔ بادشاہ نے ان کا درماہہ ان کے عیال کے واسطے مقرر کر دیا تھا، بعد اس کے ان کی بیبی نے بھی انتقال کیا، اب سوا مرزا جعفر کے کوئی نہیں رہا۔ مرزا آغا جان ان کے بڑے بھائی نے وہیں انتقال کیا۔ لکھنؤ کی املاک اما مباڑہ وغیرہ بہت دعا مانگ کر بنوایا تھا وہ بھی گیا گزرا" دیوان منیر ۳ میں مادۂ تاریخ وفات ہے: کجا برق طور سخن آہ وائے = ۱۲۷۴ھ واجد علی شاہ نے اپنی مثنوی حزن اختر میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے ان کی وفاداری کی تعریف کی ہے۔

۹۲ برق کا ایک واسوخت مجموعۂ واسوخت مطبوعہ ۱۲۶۵ھ میں شامل ہے اور یہی واسوخت عیش کے مرتبہ مجموعہ میں بھی ہے۔ دیوان ان کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا۔ ایک شہر آشوب جو اودھ کے انگریزی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔ انکے دیوان میں نہیں۔ ضمیر نے اس کے جو منتخب اشعار جلوۂ خضر میں درج کیے ہیں، ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

کل کے مذکور ہیں اپنے بھی افسانے تھے رشک فردوس بریں شہر کے میخانے تھے
تھالیاں ہیروں کی تھیں لعلوں کے پیمانے تھے ماہ و خورشید رخ شمع کے پروانے تھے
سب ہوا خواہ سلیمان کہا کرتے تھے رات دن پریوں کی جھرمٹ میں رہا کرتے تھے
تا فلک نالۂ قلقل کی صدا جاتی تھی لحن داؤد کو نے بزم میں شرماتی تھی
دختِ رز مثل پری مجھ کو نظر آتی تھی وجد میں آن کے ہر زہرہ جبیں گاتی تھی
تند و پر شور و سیہ مست زکہسار آمد میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد
قہقہے اڑتے تھے جمگھٹ تھے پریزادوں کے میلے ہر روز ہوا کرتے تھے آزادوں کے
نالے سنتے تھے نہ ہرگز کبھی فریادوں کے کبھی آگاہ نہ تھے نام سے بیدادوں کے
کیا کہیں کس سے کہیں ہائے وہ صحبت کیا تھی راجہ اندر کے اکھاڑے کی حقیقت کیا تھی
باغ جنت کے اثر باغ ارم رکھتا تھا ساری دنیا کے شجر باغ ارم رکھتا تھا
سارے عالم کے ثمر باغ ارم رکھتا تھا گل خوش وقت سحر باغ ارم رکھتا تھا
دیکھ کر صحن کو بیمار شفا پاتے تھے مردے جی اٹھتے تھے جس وقت وہاں جاتے تھے
کم نہ تھے ساغر فردوس سے نالے اس کے سرو و سنبل تھے جواں گیسوؤں والے اس کے
نہریں تسنیم تھیں گرداب تھے ہالے اس کے سارے اشجار تھے طوبیٰ سے نرالے اس کے
قصر و منزل کے بدل قصر دُرِ ابیض تھے رہنے کو شیش محل قصر دُرِ ابیض تھے
نکہت مشک سے صحرائے ختن رمنا تھا باغ فردوس نہ چرخ کہن رمنا تھا

لال تھے ہونٹ حسینوں کے یمن رمنا تھا یادٔں کو شام و سحر صحن چمن رمنا تھا
چرتے پھرتے تھے زمانے کے چرندے اس میں ہوش اڑتے تھے جو اڑتے تھے پرندے اس میں
ہر طرف پھولوں کے انبار رہا کرتے تھے گلفشاں گلشن رخسار رہا کرتے تھے
پھول خار سر دیوار رہا کرتے تھے سامنے مصر کے بازار رہا کرتے تھے
شہر میں اپنے غلام آ کے جہاں بکتے تھے کھوٹے داموں کو بھی یوسف نہ وہاں بکتے تھے
چاند تھی شکل میں ہر ایک کہاری اپنی دیکھنے آتی تھیں پریاں بھی سواری اپنی
ہم نفس باغ میں تھی باد بہاری اپنی صحبتیں غیرت فردوس تھیں ساری اپنی
دھوم تھی چار طرف خلق میں رہواروں کی حرص تھی روح سلیماں کو ہوا داروں کی
یاد آتا ہے وہ ہنس ہنس کے بگڑنا ان کا لہنگے پہنے وہ تمامی کے اکڑنا ان کا
پھر الغام سواری میں جھگڑنا ان کا قہر تھا ہائے بناوٹ کا وہ لڑنا ان کا
بجلیاں عارض انور سے چمک جاتی تھیں کمریں بار سے گیسو کے لچک جاتی تھیں
جھولے بھر ساتوں میں ریشم کے پڑا کرتے تھے مہندیاں لگتی تھیں سامان بڑا کرتے تھے
پینگوں پر تیوریاں چڑھتی تھیں لڑا کرتے تھے پاؤں کیا ڈنڈیوں میں ہر وقت اڑا کرتے تھے
جوڑے ہر رنگ کے ہر ایک کو پہناتے تھے بوندیاں پڑتی تھیں مے چلتی تھی ابر آتے تھے
میز ہر روز لب نہر چنی جاتی تھی چادر ماہ دوپٹوں کو بنی جاتی تھی
بات کانوں سے نہ سننے کی سنی جاتی تھی لطف گرمی صحبت سے بھنی جاتی تھی
نکہت زلف سے گھر دشت ختن ہوتا تھا پھولوں کی ڈالیوں سے صحن چمن ہوتا تھا
بوتلوں عطر لنڈھاتے تھے لگانا کیسا ہمنشیں آپ سے آتے تھے بلانا کیسا
بات سچ پیش نہ جاتی تھی بہانہ کیسا تیر مژگانوں کے کھاتے تھے نشانہ کیسا
ایک سے ایک کو مطلق نہ خبر ہوتی تھی انھیں چہلوں انھیں جلسوں میں بسر ہوتی تھی
اپنا ہولی میں عجب رنگ ہوا کرتا تھا عرصہ روئے زمیں تنگ ہوا کرتا تھا

حوضوں میں نہروں میں سب تنگ ہوا کرتا تھا سبزے سے سانگوں کی دل بہ تنگ ہوا کرتا تھا
چہروں پر موتیوں کی راکھ ملی جاتی تھی دیکھ کر جگنوں کو جان جلی جاتی تھی
انڈوے ان ماہوسکے بالوں کی طرح زیبا تھے آگ کے ٹھیکروں سے ہاتھ ید بیضا تھے
شجر وادی ایمن شجر بالا تھے بار پستاں بدلوں میں ثمر طوبیٰ تھے
دل تماشائیوں کے ساتھ چلے جاتے تھے دیکھنے والے تجلی سے جلے جاتے تھے
سانگ آزادوں کے جب کوئی یہاں لایا تھا ہاتھوں سے شق قمر صاف نظر آتا تھا
دیکھ کر سبزہ زمیں رشک فلک کھاتا تھا برق (کے) شعروں سے دل تن میں تڑپ جاتا تھا
ریزش سے رہے پیمانے میں باقی تا حشر رکھے داتا تجھے میخانے میں ساقی تا حشر
باغ میں روز گلال اڑ کے شفق ہوتا تھا بادلا چرخ کا سونے کا ورق ہوتا تھا
حاجت رنگ نہ تھی رنگ عرق ہوتا تھا خاک پر گر کے ابیر ایک طبق ہوتا تھا
چاند سورج گل رخسار سے شرماتے تھے تارے مقیش کے ذروں سے نظر آتے تھے
رات دن باتیں زمانے کی چھنا کرتی تھیں سیجیں پھولوں کی ہزاروں ہی بنا کرتی تھیں
شکلیں انگریزوں کی جان فنا کرتی تھیں خم فلک ہوتے تھے جس وقت تنا کرتی تھیں
مردے جی اٹھتے تھے سن سن کے صدا ارگن کی دم عیسیٰ تھی حقیقت میں ہوا گلشن کی
بگھیاں نور کی تیار رہا کرتی تھیں قسمتیں سوتوں کی بیدار رہا کرتی تھیں
آنکھیں مستی میں بھی ہشیار رہا کرتی تھیں کوٹھیاں باغ کی گلزار رہا کرتی تھیں
سیر میں رہتی تھیں دل تنگ کے بہلانے کو روز ہر صبح کو جاتے تھے ہوا کھانے کو
سقے کیوڑے سے چھڑکتے تھے ہماری سڑکیں آنکھوں سے جھاڑتی تھی باد بہاری سڑکیں
غیرت گلشن فردوس تھیں ساری سڑکیں رہتی ہیں پیش نظر ہائے وہ پیاری سڑکیں
لکھنؤ کی اٹھیں گلیوں میں پھرا کرتے تھے غش میں آ آ کے تماشائی گرا کرتے تھے
بیڑے ہم چھوڑتے تھے گومتی پر جادوں میں جلسے رہتے تھے شب و روز پریزادوں میں

مشق کرتے تھے فن عشق کی استادوں میں — شب گزرتی تھی ہمیں زلف کے آزادوں میں
بے فرنگی محل ان روزوں میں آرام نہ تھا — رات دن سیر سپاٹے کے سوا کام نہ تھا
وعدے جہلم کے مہینوں سے رہا کرتے تھے — روز چلنے کو محرم میں کہا کرتے تھے
آنسو کیا مرثیوں کو سن کے بہا کرتے تھے — رنج فرقت میں نہ اس طرح سہا کرتے تھے
کالے کپڑوں سے جو وہ خسار نظر آتا تھا — دامن شب میں قمر شرم سے چھپ جاتا تھا
کربلا جاتے تھے رہتے تھے وہاں راتوں کو — برسوں ہم کہتے تھے نوچندیوں کی باتوں کو
نہ کبھی بھولیں گے پوشیدہ ملاقاتوں کو — ہم بتاتے تھے بہانے کی بہتیں گھاتوں کو
گر کبھی جاتے تھے ملتے تھے کبھی راہ میں ہم — دیکھ لیتے تھے کبھی دور سے درگاہ میں ہم
جانتے تھے کہ اسی طرح گزر جائے گی — چمن عیش میں ہرگز نہ خزاں آئے گی
آرزو نخل محبت سے ثمر پائے گی — یہ نہ سمجھے تھے قضا رنگ نیا لائے گی
"حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد — روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد"
آج پانی بھی نہیں منہ میں چوانے والے — دور سے بھاگتے ہیں پاس کے آنے والے
منہ نہیں دیکھتے صورت کے دکھانے والے — بھاڑے کھاتے ہیں محبت سے کھلانے والے
غم ہیں کیونکر نہ مژہ اشکوں سے تر ہو اپنی — مر بھی جائیں تو کسی کو نہ خبر ہو اپنی
مدتیں گزریں کہ واقف نہیں درگاہوں سے — اجنبی ہو گئے ان کوچوں کی ہم راہوں سے
کربلا جاتے تھے نوچندیوں کو چاہوں سے — ہوسیں ساری یہ مٹیں اپنے ہوا خواہوں سے
خاک خوش آئے کسی طرح کا میلا ہم کو — رونے کو چھوڑ گئے یار اکیلا ہم کو
سخت جانی سے فقط جیتے ہیں جینا کیسا — پانی خنجر ہے ہمیں پیاس میں پینا کیسا
اب وہ نوچندی کہاں اور مہینا کیسا — مے کہاں جام کہاں قلقل مینا کیسا
موت قابو میں نہیں ورنہ بڑی بات نہ تھی — جائے غیرت ہے کبھی اپنی یہ اوقات نہ تھی
اب بھی آ جائیں جو وہ پھر وہی صورت ہو جائے — وہی ہنسیاں وہی چہلیں وہی عشرت ہو جائے

رنج سب جاتے رہیں روح کو راحت ہو جائے — پھر وہی شان ہو اپنی وہی شوکت ہو جائے
پھر وہی سیریں کریں پھر وہی آبادی ہو — پھر وہی ناچ وہی رنگ وہی شادی ہو
ہم کہا کرتے تھے بے آپ کے مر جائیں گے — تم جدا ہو گئے تو ہم جی سے گزر جائیں گے
یاد خاطر رہے جو کہتے ہیں کر جائیں گے — جام عمر آنسوؤں سے ہجر میں بھر جائیں گے
اس بڑے بول (سے) پچھتاوں ہیں شرمندہ ہیں — وہ گئے اور اسی طرح سے ہم زندہ ہیں
موت جینے سے کہیں اپنے لیے بہتر ہے — بال نشتر ہیں تو ہر ایک نفس خنجر ہے
تکیہ ہے خشت لحد فرش زمیں بستر ہے — دل ہیں آغوش اجل گور سے بدتر گھر ہے
کیا کروں اس کو کہ برعکس جو قسمت ہو جائے — زہر گر کھاؤں تو وہ بھی مجھے امرت ہو جائے
آرزو رہ گئی افسوس نگاڑا ہم کو — بننے پائے بھی نہ تھے ہم کہ بگاڑا ہم کو
پھونکے دیتا ہے غم ہجر سے جاڑا ہم کو — ہائے کس کی نظر بد نے اجاڑا ہم کو
اس سے مجبور ہے انسان جو قسمت ہو جائے — وہ اگر چاہیں تو اک آن میں سب کچھ ہو جائے
کوئی اس رنج غم اندوز کی تدبیر نہیں — جینے جی ان سے ملیں اپنی یہ تقدیر نہیں
دور اپنا ہو یہ دور فلک پیر نہیں — دل میں طاقت نہ رہی آہ میں تاثیر نہیں
کس نے آرام نہ چرخ کہن پایا ہے — روز اول سے اسی طرح چلا آیا ہے
ہم پرائے برق جو گزرا ہے سنایا ہم نے — نقشہ سب کھینچ کے شعروں میں دکھایا ہم نے
شہر آشوب کہا دے کے رلایا ہم نے — وقت پر دوستوں کو دوست نہ پایا ہم نے
خلق میں نیر اقبال ہمارے وہ تھے — سب کو ثابت ہے کہ سیارستارے وہ تھے

۹۳ رشک میر حسن کے بیٹے نہ تھے، ترجمے کی عبارت میں غالباً کاتب کی غلطی ہے۔ ۱۵
رشک کے والد کا نام سید سلمان تھا۔ (متوفی ۱۲۱۹ھ دیباچۂ نفس اللغۃ ص ۱) ۹۴
تذکرۂ ناصر میں جو رشک کا ترجمہ ہے درج ذیل کیا جاتا ہے:
"شاعر سنگ ممدوح خرد و بزرگ زیور علم و فضل سے آراستہ ۔۔ میر علی اوسط ۔۔ رشک،

منتظر، ۳، ۲۶، ۸۱
مہر، مرزا حاجی، ۱۷، ۶۷-۷۰، ۸۰، ۸۵، ۸۶
میر، ۱، ۲، ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۵۲، ۵۴
نادر، کلب حسین خاں، ۱۰، ۱۸، ۴۵-۴۹، ۶۳، ۷۹، ۸۲-۸۶
ناسخ، ۵-۱۰، ۱۸، ۱۹، ۲۹-۳۶، ۳۸، ۴۴-۴۶، ۵۴، ۵۶، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۸۱، ۸۴، ۸۵، م
ناطق بنارسی، ۱۷، ۱۸، ۷۲
نجف، شاہ محمد علی، ۱۳، ۵۳، ۵۴
نصیر، ۴، ۵، ۲۸، ۲۹، ۷۷، ۸۱
وزیر، ۸، ۹، ۳۰-۳۳، ۳۵، ۳۶، ۶۰، ۷۷، ۸۱
ہادی، محمد مہدی، ۱۸، ۷۲، ۷۳، ۸۶، م
ہوس، ۱۷، ۷۰، ۷۱، ۸۶
یاس، انور علی، ۲۷، ۷۱، ۷۲، ۸۱، ۸۶

کلام اس کا منظور ضمائر خواطر کے مرغوب شاگرد رشید۔ ناسخ بلکہ ان کے برابر محسوب۔۔ ان کی زبانی بیان کہ مسکن اور مولد فیض آباد اور بد و سن سے شعر گوئی پر طبع رواں۔۔ مرزا محمد تقی خاں، ترقی کے دو نخانے میں صحبت مشاعرہ مقرر اور روز مقررہ وہاں ازدحام اہل فضل و ہنر۔ چار و ناچار میر مستحسن، خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا غزل دکھلائی اور ہنر مندوں کی زبان سے واہ واہ پائی۔ چندے زمانہ اسی طور پر گزرا ۱۲۳۱ھ میں۔۔ جناب عالیہ نے انتقال کیا اور سر رشتہ روزگار کا برہم ہوا، عزم۔۔ لکھنؤ کا ٹھہرا، اس وقت۔۔ دریافت حال شعرائے لکھنؤ میر صاحب مرحوم سے کیا اور سفارش چاہی۔۔ فرمایا کہ میرے دوستوں میں۔۔ ناسخ ہیں کہ طبیعت ان کی بہت متین اور فی زمانہ ایسا شاعر نہیں ان کی خدمت میں حاضر رہنا۔ میں نے خط سفارش کا طلب کیا، کہا اس کی احتیاج نہیں، میرا سلام کہنا اور اپنا کلام پڑھنا۔ القصہ۔۔ لکھنؤ۔۔ آیا اور میر امجد علی، ہشیار کی معرفت شیخ صاحب کی خدمت میں باریاب ہوا، بطریق نذر ایک غزل پیشکش کی، فرمایا کہ اسے چھوڑ جاؤ کہ اصلاح کی جائے گی۔ جب دو چار دن کے بعد۔۔ حاضر ہوا فرمایا کہ وہ مسودہ گم ہو گیا، اگر تمھیں نے کہی تھی اور کہہ سکتے ہو۔ میں نے اسی زمین میں اور کہی۔۔ اسے زیور اصلاح سے آراستہ فرمایا، ۵ ماہ ربیع الاول ۱۲۳۱ھ ہجری تھا کہ ابتدائے زمانۂ شاگردی ہوا۔ اب جو۔۔ فکر کی۔۔ دو تخلص ہاں کے تاریخ شاگردی کی حاصل ہوئی۔ یہ عجیب قضیۂ اتفاقیہ ہے"۔

۹۵ امین الدولہ آغا علی خاں، مہر کا شمار تلامذۂ ناسخ میں بھی ہے؛ ان کا ایک دیوان چھپ گیا ہے اور اس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔ شاید ایک دیوان اور ہے جس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ سال وفات غالباً دیوان صغیر لکھنوی میں ہے۔

۹۶ رشک کے دو دیوان ایک ساتھ طبع ہوئے تھے (ایک حوض میں دوسرا حاشیے پر) دیوان اول منیر میں تاریخ طبع ۱۲۶۳ھ درج ہے۔ دیوان سوم ۱۲۶۷ھ میں

مرتب ہوا، اس کی تاریخ منیر کے دوسرے دیوان میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ پاکستان میں ہے جس پر ایک مضمون مدت ہوئی لاہور کے ایک رسالے (غالباً ادبی دنیا) میں نکلا تھا؛ دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے کتبخانے میں ہے۔ اشپرنگر نے ان کی ایک مثنوی ترجمۂ حدیث رجعت (طبع سنہ ۱۲۶۳ھ صفحات ۲۶، ہر صفحے میں ۳۵ اشعار) کا ذکر کیا ہے۔ بیت اول یہ ہے:

اگر ہوں بسملہ (کذا) سے فارغ افواہ　　کریں تحمید یوں الحمد للہ

رشک نے اردو کا ایک لغت "نفس اللغۃ" بھی لکھا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا (از الف تا ت) طبع بھی ہو گیا ہے۔

۹۷ کلیات ناسخ میں سید علی ضامن کی کدخدائی کی تاریخ صد ۳۶۲ (۱۲۴۱ھ مگر کلیات میں ۱۲۵۱ھ مرقوم، مادہ: ہمایون و مسعود شد کدخدائی)۔ سید علی ضامن کو ختنے کی مبارکباد صد ۳۶۱ (سنہ ۱۲۵۱) تاریخ "وفات برادر بزرگوار جناب سید علی اوسط" صد ۳۹۴ (سنہ ۱۲۳۲ھ)۔ سید علی ضامن رشک کے بیٹے تھے، ان کا تخلص شوق تھا اور ان کے نام کا ایک خط منیر کے دیوان ۳ میں سنہ ۱۲۸۳ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ ناسخ کے ان اشعار میں جو ان سے متعلق ہیں یہ مصرع بھی ہے: "تو ہم ہستی اے نیکخو قبلۂ من" یہ سیادت کی وجہ سے ہے۔ یہ نہیں تو یہ کوئی دوسرے سید علی ضامن ہیں۔

۹۸ رشک کربلا چلے گئے تھے۔ منیر کے دیوان ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہیں سنہ ۱۸۶۷ء میں وفات پائی۔ سنہ ہجری ۱۲۸۴، مادہ: عابد کامل و خاقانی عالم افسوس۔

16 ۹۹ ناصر محسن نے نادر کو ناسخ کا شاگرد لکھا ہے، ور تلمذ آتش کی طرف اشارہ نہیں کیا، نساخ نے دونوں کے شاگردی کا ذکر کیا ہے؛ ضمیر بلگرامی نے تلامذۂ ناسخ کے ذیل میں ان کا حال لکھنے کے بعد شاگردان آتش کی فصل میں بھی انہیں داخل

کیا ہے: "نساخ ان کو آتش و ناسخ دونوں کا شاگرد لکھتے ہیں۔ مگر انھوں نے دیوان غریب میں ناسخ کا شاگرد لکھا ہے" (جلوۂ خضر ۲ ص ۲۵۷)

۱۰۰ ناصر نے نادر کے ۴ دیوان منقطوں میں مدح ائمہ کرنے اور ضلع اٹاوہ کے ڈپٹی[1] کلکٹر ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۱ محسن نے ان کے تذکرۂ شوکت نادری کا ذکر کیا ہے، ان کا ایک تذکرہ کتبخانۂ رضائیہ رامپور میں ہے، غالباً یہی۔

۱۰۲ شعر ۷ مصرع ۱: ان میں "لڑی" کی جگہ "لٹی" مصرع ۲ میں "موتیا" ان کے مطابق، ورنہ لکھنؤ کی زبان "موتیے" چاہتی ہے ۱۰۲ شعر ۱۳ مصرع ا کا متن ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

۱۰۳ جلوۂ خضر میں صفیر نے نادر سے اپنی ملاقات کا حال، ان کا ایک فارسی خط اور اپنی غزل پر ان کا ایک مخمس درج کیا ہے:

"نادر، مرزا کلب حسین خاں ولد کلب علیخاں بنارسی ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ تھے۔ ان سے تذکرۂ شوکت نادری و دیوان مخمس و دیوان مرثیہ و دیوان اردو تخلص معلّٰی یادگار ہیں۔۔ ان سے اور۔۔ حضرت صاحب عالم۔۔ سے بہت ملاقات تھی"۔۔ اپنا دیوان لکھوا کر نادر صاحب کو بھیجا تھا۔ جب میں ۱۲۸۱ھ ہجری میں۔۔ شادی کے لیے بلگرام گیا اور وہاں سے۔۔ مارہرہ روانہ ہوا، رستے میں فرخ آباد پڑا۔ فتحگڈھ میں۔۔ جناب نادر نے ایک بنگلا بنوایا تھا، اس میں رہتے تھے۔۔ مخصوص ان کی ملاقات کے لیے میں نے فرخ آباد میں قیام کیا اور ایک بجے۔۔ ملاقات کو گیا، دو بجے پہنچا باغ میں بنگلا خوشنما تھا، غلام گردش میں دو چار کرسیاں بچھی تھیں اور کمروں کے دروازے بند تھے۔۔ حیران تھے کہ کیونکر اطلاع کی جائے کہ ایک نوکر۔۔ ادھر سے گزرا اس سے کہا۔۔ وہ گیا اور آیا

[1] "لوگ کہتے ہیں کہ فن شاعری منحوس ہے، ہم شعر کہتے کہتے ڈپٹی کلکٹر ہو گیا" نادر

اور کہا کہ پوچھتے ہیں کہ آپ کون ہیں.. سنا تھا کہ.. شاعر کے نام سے فوراً چلے آتے ہیں، میں نے کہا جاکر کہہ ایک شاعر آئے ہیں، اس نے جاکر کہا کہ ایک سائل آئے ہیں، جواب ملا کہ.. کل صبح کو آئیگا.. میں نے پوچھا.. کیا کہا تھا اس نے کہا میں نے کہا تھا کہ سائل آئے ہیں میں ہنسا اور کہا.. جاکر کہو شعر غزل کہتے ہیں اور یہ فقرہ میں نے ذرا زور سے کہا۔ شاید.. سن رہے تھے، ایکبار.. دروازہ کھلا اور جناب نادر نہائے ہوئے بال پونچھتے سامنے آئے اور بولے کون حضرت ہیں۔ میں سامنے گیا اور بولا.. سید فرزند احمد صفیر.. حضرت صاحب عالم.. کا حقیقی نواسہ.. اور میر محمد عسکری.. کا پرپوتا۔ یہ سنتے ہی بیتابانہ ننگے پاؤں باہر نکل آئے اور.. بغلگیر ہوکر اندر لے گئے.. کمرا بہت آراستہ تھا، سامنے ایک مسہری لگی تھی، جس کا پردہ رنگین، گوٹے پٹھے سے آراستہ چھت کا پنکھا رنگین، بیٹھا لگا ایک طرف مسند لگی، تکیے رکھے سب رنگین اور.. عمر بچاس سے متجاوز تھی۔ مسند پر بیٹھے اور مجھے بھی بٹھایا۔ حال پوچھا، میں نے.. کیفیت.. بیان کی — معذرت کرنے لگے کہ معاف کیجئے گا اس نادان نے سائل کہا اس لیے میں نے صبح کو آنے کو کہدیا تھا۔ مجھ سے پوچھا آپ کس کے شاگرد ہیں میں نے کہا جناب سحر لکھنوی کے۔ فرمایا غدر میں وہ بلگرام ہوتے ہوئے یہاں بھی آئے تھے، اور یہاں سے جاکر راہ میں انتقال کیا.. شعر پڑھنے کو کہا، اتنے میں جناب امداد حسین، صفیر فرخ آبادی شاگرد بحر.. بھی تشریف لائے اور چند خوش مذاق بھی موجود ہوئے.. مجھے یاد کم رہتا ہے چند شعر سر دیوان صفیر بلبل کے پڑھے، بہت تعریف کی اور خود جناب نادر نے اپنی بیاض نکالی اور اپنی غزلیں پڑھنا شروع کیا۔ بیچ بیچ میں اگر مجھ کو اپنے شعر یاد آتے تھے تو ان لوگوں کے اصرار سے پڑھتا تھا، مگر ان لوگوں کا اصرار ہوا کہ پوری غزل پڑھیے.. اسی وقت.. ایک غزل کی فکر کی جب وہ پڑھ چکے تو میں نے سنائی.. یہ بھی کہا کہ ابھی کہی ہے، بہت تعریفیں ہوئیں.. جناب نادر گرویدہ ہوئے کہ دوچار روز میں مشاعرہ بھی

میں نے عذر کیا کہ اشتیاق نانا صاحب کی قدمبوسی کا بہت ہے.. جب مارہرہ سے واپس آوں گا بشرط موقع شریک مشاعرہ ہو جاؤں گا۔ فرمایا.. ضرور آیئے گا اور مصرع طرح نکالا گیا "اے کاکل یار کیا بلا ہے" میں نے اس کا مشاعرہ مارہرہ میں کیا۔ افسوس مارہرہ میں اس قدر توقف ہوا کہ محرم کو دس دن باقی تھے کہ میں وہاں سے روانہ ہوا رستے میں توقف مناسب نہ تھا.. غزل طرح جو مارہرہ میں کہی تھی. بھیجدی اور بہت حذرت لکھی -.. اس وقت سے.. رسم مراسلات جاری ہوئی اور ہمیشہ.. عنایت نامے آتے رہے۔ تلخیص معلیٰ کا مسودہ بھی میرے سامنے پڑھا تھا، اکثر باتوں میں میں نے مشورہ دیا تھا اور بہت سے فائدے بتائے تھے۔ اس ہیچمداں کی باتوں کو انھوں نے مان لیا اور اسی طرح کتاب میں تحریر فرمایا.. خط.. بنام صفیر:

".یک جلد تلخیص معلیٰ.. امروز روانہ کردم۔ از لاہور تا بنارس قصبہ وشہرے نیست کہ ایں کتاب نرسیدہ باشد.. تاحال ہفت صد جلد فروخت شد و بیع وشرائے آں جاریست۔ اگر بحسن تدبیر تدبیر سامی در اضلاع صاحب گنج و آرہ و مظفرپور و چھپرہ و پٹنہ ہم.. مروج شود بہ ازیں احسانے نباشد، چہ بندہ را بجز جناب سامی باکسے رابطہ وشناسائی درآں مالک نیست غالباً بدریافت قیمت کہ صرف یک روپیہ ہست، مردم در خریداری آں تامل نمیکنند و در خوبی و جدت کتاب شکے نیست کہ برائے شاعر بہ ازیں ہدایت نباشد کہ از استاد مستغنی میکند و دریائے در کوزۂ بند است۔ .. مشاعرہ جاریست، چارم رجب.. خواہد شد طرح اینست: "حسن یوسف سے ترے حسن کو بہتر پایا" غزل شرسامی دیدم.. یک یک مصرع یک یک دیوان لطف میدہد۔ بندہ ہم دریں زمیں از بیشتر غزل دارم۔ امید کہ در ہر خط دو یک غزل عنایت شدہ باشد کہ بہ ازیں ارمغانے نیست و یک دو غزل کہ محض عاشقانہ باشد بغرض تخمیس.. عنایت فرمایند کہ بندہ دیوانے جداگانہ از تخمسات ترتیب دادہ ام.. میخواہم کہ از کلام سامی

ہم آں دیوان خالی نباشد بلکہ اگر کلام دیگر خوشگویان آں ملک ہم رسد خالی از لطف نیست.. فتحگڈھ۔ ۱۸۶۷ء" مخمسات کا دیوان چھپ گیا ہے، میں نے مدت ہوئی دیکھا تھا، صغیر کی غزل کے مخمس کا ایک بند:

مطلق نہ کارگر ہوئی تاثیر آہ کی　　الٹی سزا ملی مجھے الفت کی چاہ کی
حالت ہے اب یہ عشق میں مجھ بیگناہ کی　　دل سے گزرتی ہے نظر اس رشک ماہ کی
بو تل تراشتی ہے مرد ہی نگاہ کی

۱۰۴ مصحفی نے ریاض الفصحا میں لکھا ہے: "از ابتدائے موزونی طبع کم کم خیال شعر فارسی و ہندی ہر دو میکرد اما میلان طبعش بطرف فارسی بیشتر بود و آں روزہا کلام منظوم خود را بنظر فقیر میگذرانید" اس سے صاف ظاہر ہے کہ تلمذ اوائل ہی میں رہا۔ آتش و مصحفی میں نزاع بھی ہوئی (رجوع بہ "مصحفی و آتش" از راقم صدائے عام عید نمبر)۔ ۱۷

۱۰۵ شعر ا مصرع ۲: دیوان میں "جو آنکھیں ہوں تو نظارہ" الخ ۱۰۶ شعر ۳ مصرع ۱: تشبیہ نئی دوں ترے گیسوے رسا کو ۱۰۷ شعر ۴ دیوان مطبوعہ میں نہیں ۱۰۸ شعر ۵ مصرع: زمیں یاں کی الخ ۱۰۹ شعر ۶ مصرع ۱: سرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے (دیوان مصححہ آتش میں ٹھہرا) الخ۔ یہ شعر اوروں کی طرف بھی منسوب (تفصیل آوارہ) ۱۱۰ شعر ۷ مصرع ۱: قریبوں سے نہ رکھ امداد کی امید مشکل میں ۱۱۱ شعر ۸ یوں ہے:

وہ منصف ہوں اگر میں نے کیا ختم کلام اللہ　　تو اب سورۂ یوسف دیا روح زلیخا کو

۱۱۲ شعر ۱۰ مصرع ۱: بھول جانے سرو (کذا) شمشاد۔ سرو اور شمشاد کے درمیان واو عطف چاہیے۔

۱۱۳ آتش کے دونوں دیوان مطبع محمدی لکھنؤ نے ۱۲۶۱ھ میں چھاپے تھے، خود آتش نے تصحیح کی تھی۔ یہ نسخہ کتبخانۂ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

18 ۱۱۴ دیوان طبع ہو چکا ہے، مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔ ۱۱۵ خلیل کی ایک فارسی مثنوی بھی ہے جس کے اشعار خطاب فاضل مصنفہ سید محمد عباس شوستری میں شامل ہیں۔ بہادر شاہ (ظفر) کی طرف سے جو مثنوی غالب نے لکھی تھی خلیل کی مثنوی اس کے جواب میں ہے۔ خطاب فاضل میرے پاس موجود ہے، لیکن خلیل کی مثنوی کا کوئی نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

۱۱۶ دیوان نوادر آل محمد (مطبع نور الانوار آرہ) ص ۱۵ میں ہے خلیل مرثیہ گو نے ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ غالب، سرور اور خلیل کی تاریخ وفات ایک ساتھ کہی ہے۔ ظاہراً یہی خلیل تھے جو مرثیہ بھی کہتے تھے۔

19 ۱۱۷ تذکرۂ ہذا اور تذکرۂ ناصر کے سوا جلیل کا حال میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ ناصر کا بیان ہے، "میر ہدایت علی ہدایت میں ہدایت تخلص کرتا تھا جب میر دوست علی نے تخلص سوزش موقوف کر کے خلیل کیا، اس نے بسبب اتحاد باطنی کے ہمصورت خلیل تخلص اپنا جلیل قرار دیا، القصہ وہ شاعر خوش تقریر بسبب کسب عمل اور تسخیر کے دیوانۂ مطلق ہو گیا ہے۔۔ محب دلی اس مؤلف کا اور شاگرد ذکی۔۔ آتش کا ہے" ۱۱۸ اس تذکرے میں جلیل کی دو غزلیں ہیں، ایک کی ردیف "میں آئینہ" اور قوافی کمر نظر وغیرہ ہیں، دوسری درج ذیل ہے:

چاندنی ہر اک سو ہے گل کی باغ میں بو ہے ۔ بادہ ہے لب جو ہے ساقی پریرو ہے
سنبل اس کا گیسو ہے غیرت چمن رو ہے ۔ شاخ گل وہ بازو ہے سرو قد دلجو ہے
تو ہے قاتل دوراں چشم ہے تری فتاں ۔ تیر ہیں صنم مژگاں گر کماں وہ ابرو ہے
نازکی بدن میں ہے گل کی بو دہن میں ہے ۔ معجزہ سخن میں ہے چشم عین جادو ہے
ہیں جو صاحب ایماں کہتے ہیں وہ یہ ہر آں ۔ روئے یار ہے قرآں کعبہ طاق ابرو ہے
بازو شمع روشن ہے ماہ تو وہ جوشن ہے ۔ صبح اس کی گردن ہے آفتاب جگنو ہے

بے ترے ہے ویرانہ کعبہ اور بتخانہ نہ ہوں ترا ہیں پروانہ شمع انجمن تو ہے

تنگ زندگی سے ہوں دل مرا ہوا ہے خوں کیوں نہ ہیں گلا کاٹوں عشق تیغ ابرو ہے

دور ساغر مل ہے فصل لالہ و گل ہے عندلیب کا غل ہے قمریوں کی کوکو ہے

یاد کر کے وہ دنداں ہوں میں اے صنم گریاں رشک گوہر غلطاں میرا آنسو آنسو ہے

کیوں تراد کا ہے دل کیا پڑی تجھے مشکل فکر شعر سے غافل اے جلیل جو تو ہے

۱۱۹ شاعر کا نام حسن نے علیم اللہ، شورش نے محمد علی (یہ بھی لکھا ہے کہ میں ۲۰
نہیں جانتا کہاں کے ہیں، مگر منتظر الہ آبادی، شاگرد بیتاب کے ترجمے میں محمد علیم
نام ہے) ابوالحسن امر اللہ الہ آبادی نے خود ان کے ترجمے میں علیم (لیکن یحیائی
کے ترجمے میں محمد علیم) اور علی ابراہیم خاں نے محمد علیم لکھا ہے۔ فہرست اشپرنگر سے
معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ سرور میں تو محمد علیم ہے، لیکن تذکرۂ ذکا میں علیم الدین۔
عشقی نے پہلے علیم اللہ، بیتاب کا ذکر (بہ تقلید حسن) کیا ہے اور اس کے بعد محمد علیم
بیتاب کا حال لکھا ہے، اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ ممکن ہے دونوں ایک ہوں۔
اشپرنگر نے محمد علیم بیتاب، محمد علی بیتاب (اس رائے کے ساتھ کہ مقدم الذکر اور یہ
ایک ہو سکتے ہیں)، محمد علیم یا علیم الدین، بیتاب کا ذکر الگ الگ کیا ہے اور آخر میں
لکھا ہے کہ اگر آخری بیتاب زمانۂ تصنیف تذکرہ ہائے سرور و ذکا میں زندہ تھے
تو یہ اور وہ بیتاب جن کا حال علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے ایک نہیں ہو سکتے۔ دتاسی
نے انھیں محمد اسمٰعیل بیتاب کے دھوکے میں معاصر آبرو لکھا ہے اور اشپرنگر سے اتفاق
کرتا ہے کہ اگر زمانۂ تصنیف تذکرہ ہائے سرور و ذکا میں زندہ تھے تو گلزار ابراہیم
کے بیتاب سے مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد اسمٰعیل، بیتاب کو چھوڑ کر، یہ سب
ایک ہیں، اور اصلی نام محمد علیم ہے جو خود شاعر نے اپنی کتاب غایتہ الہمہ فی ذکر الصحابہ
والائمہ (نسخۂ کتبخانہ مستشرقیہ پٹنہ) کے دیباچے میں لکھا ہے۔

۱۲۰ مصنف نے اردو کے تذکرے میں جو صرف حیرت تخلص لکھا ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ صاحب مسرت افزا نے صراحت کی ہے کہ اردو میں بیتاب اور فارسی میں حیرت تخلص تھا۔ فارسی گویوں کے تذکرے روز روشن میں حیرت تخلص ہی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ بیتاب کی فارسی گوئی کی طرف حسن نے بھی اشارہ کیا ہے۔ روز روشن میں جو چند فارسی اشعار ہیں درج ذیل کیے جاتے ہیں:

پیغام دوست عزت قاصد فزوں کند — تنزیل وحی رتبہ دہد جبرئیل را
کثرت از وحدت او بسکہ بجوش است امشب — یار در خانۂ آئینہ فروش است امشب
چوں صبح کہ از مطلع خورشید ہویداست — چاک دلم از چاک گریبان تو پیداست
ہمچو طفل بے پدر بے اعتبار افتادہ ام — قطرۂ اشکم ز چشم روزگار افتادہ ام
چہ پرسی باغباں در گلشن ہستی ز سامانم — بسان غنچۂ دل تنگم برنگ گل پریشانم

۱۲۱ حسن نے بیتاب کو معاصرین مرزا جعفر علی، حسرت و جرأت و مصحفی وغیرہ میں شمار کیا ہے، لیکن یہ دراصل میر و سودا وغیرہ کے ہمعصر ہیں، بقول مصنف روز روشن جو قریب بہ یقیں ہے کہ اس معاملے میں قاضی محمد صادق خاں، اختر کا مقلد ہے، ان کی وفات ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲۲۳ھ میں ہوئی ہے۔ ذکا کے تذکرے کا آغاز اواخر مائۂ دوازدہم میں ہوتا ہے اور اس نے مائۂ سیزدہم کے پہلے عشرے میں کتابی شکل اختیار کر لی تھی (گو بہت بعد تک اضافے ہوتے رہے ہے)۔ تذکرۂ سرور کی ابتدا تیرھویں صدی کے دوسرے عشرے کے اواسط میں ہوئی اور پانچ چھ برس کے اندر کتاب تیار ہو گئی (اس میں بھی بہت بعد تک اضافے ہوتے رہے)۔ دنا سی واشپرنگر کا یہ قول کہ گلزار ابراہیم میں جس بیتاب کا ذکر ہے وہ ذکا و سرور کے تذکروں کی تصنیف سے پہلے ہی مر چکے ہوں گے، صحیح نہیں۔

۱۲۲ بیتاب کے شعر آخر کا متن ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

۱۲۳ بیتاب الٰہ آباد کے اساتذۂ قدیم میں ہیں اور ان کے ایک شعر "قتل کر الخ" کی تضمین فغاں نے کی ہے۔ بیتاب کے دیوان کا ذکر کسی فہرست میں نظر نہیں آیا، الٰہ آباد میں کہیں ہو تو ہو۔ چند اشعار تذکرۂ شورش سے نقل ہوتے ہیں:

نہ پوچھ اے شیخ اس کافر نے بتخانے میں کیا دیکھا — تجھے پتھر ملا کعبے میں یاں اپنا خدا دیکھا
یہی روشن رہے گا داغ مری چھاتی کا — مری تربت پہ نہیں کام دیا باقی کا
نہ اپنے درد دل سے میں تجھے آگاہ کرتا ہوں — کروں کیا کچھ تو چل سکتا نہیں ہے آہ کرتا ہوں
نہ دے آنکھیں نہ دے نظریں نہ وہ گفتار کیا باعث — اتنے نامہرباں ہم پر ہو تم اسے یار کیا باعث
اگر خاموش رہتے ہیں تو کب آرام ہوتا ہے — دگر فریاد کرتے ہیں تو وہ بدنام ہوتا ہے

۱۲۴ اوائل مائۃ سیزدہم کی ایک مجہول المؤلف بیاض سے بیتاب کے اشعار ذیل درج کیے جاتے ہیں:

اپنی حالت کو کیا کہوں بیتاب — حال میرا تو سخت بدتر ہے
نہ مجھے ہجر میں ملے ہے چین — نہ مجھے وصل ہی میسر ہے
نس پہ وہ شوخ جب نہ تب مجھ پر — کھینچتا ہر نگہ میں خنجر ہے
اب تو میں ہوں اور وہ ستمگر ہے — اس طرف تیغ اس طرف سر ہے
جی جاوے تو کیا غم ہے رہے یار سلامت — گو مرتے ہیں ہم رہیو وہ دلدار سلامت
اے باد صبا یار جو لوں تجھ سیتی پوچھے — بیتاب ہوا یا ہے وہ غمخوار سلامت
کہیو گھڑی مرتا ہے گھڑی جیتا ہے وہ تو — اس حال سے کوئی رہیو نہ ای یار سلامت
بس آ گئے تو حالت کو تئیں اکی نہ کچھ پوچھ — اب تک تو یہ کہتے ہیں وہ بیمار سلامت

۱۲۵ خاں کا ذکر کسی اور تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا — شعر مصرع ۲: ۲۱
"وہ" کی جگہ "یہ" چاہیے۔

۱۲۶ فہرست اشپرنگر: "نجف شاہ محمد اعلیٰ، پسر شاہ ولی اللہ، بیتاب (تذکرۂ سرور)" ۲۲

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ تحقیقات اُردو
(۱)

تذکرۂ شعرا

مصنفۂ

ابن امین اللہ طوفان

مرتبۂ

قاضی عبدالودود

زمانۂ ترتیب و انطباع
اپریل و مئی سنہ ۱۹۵۴ء

مطبع آزاد پریس، سبزی باغ۔ پٹنہ ۴ میں چھپا

دتا سی جلد ۲: "نجف شاہ محمد علی (حاشیہ اشپرنگر اعلیٰ) الہ آبادی پسر شاہ ولی اللہ، بیتاب (حاشیہ میرے نسخہ تذکرہ سرور میں علیم اللہ) ہندوستانی شعرا میں محسوب ہیں"۔ کمال یہ ہے کہ جلد ا میں بیتاب، شیخ ولی اللہ معلم پانی پت پدر محمد علی یا محمد اعلیٰ، نجف کا ذکر (بحوالہ تذکرۂ ذکا) کر چکا ہے۔ (ولی اللہ، بیتاب مختلف شاعر ہیں، رجوع بہ سخن شعرا ص۲۷)۔ بیتاب نے اپنی کتاب غایۃ الہمہ (آغاز سنہ ۱۲۰۶، نظر ثانی و اتمام سنہ ۱۲۰۹ھ) میں شاہ محمد علیم نے لکھا ہے: "نور بصر، حاصل عمر پدر، نجف علی، عرف محمد اعلیٰ زاد اللہ فی عمرہ" ورق ۲۔

۲۳ ۱۲۷ تذکرۂ ناصر: "..منظلوم شاہ ..منظلوم ساکن الہ آباد، اولاد شاہ جمل (اجمل؟ مگر یہ شاہ اجمل کی اولاد سے معلوم نہیں ہوتے) صاحب دائرہ، جن روزوں میں ..ناسخ.. دائرے میں دائر سائر تھے، شاہ صاحب کی اولاد تمام و کمال ان کی شاگردی کی مقر بلکہ شاگرد ہوئی۔ اس عزیز نے ..مصحفی کی محنت کو ضائع نہ کیا اور دائرۂ بیعت ناسخ سے خارج رہا:

رہا دل کو وصال ساقی و میخانہ تربت میں   فرشتوں سے کیا ہم نے طلب پیمانہ تربت میں
مرا خواب عدم سے چونک اٹھنا اک قیامت تھا   اڑا دیتا کفن کی دھجیاں دیوانہ تربت میں

بی جان طوائف کی تمنا سے یہ غزل ..کہی کہ قافیے میں ہر بیت کے نام اس کا ظاہر ہوتا ہے:

ہو گیا بد ظن مجھے زاہد شرابی جان کر   شیشۂ دل سنگ پر مارا گلابی جان کر"

۱۲۸ سخن شعرا: "غلام حسین معروف بہ منظلوم شاہ باشندۂ پنجاب شاگرد مصحفی، بہت دنوں لکھنؤ میں رہے آخر ایام میں الہ آباد میں سکونت کی تھی"

۱۲۹ آب بقا مصنفہ خواجہ عشرت: "شاہ منظلوم دہلی کے شاعر تھے، میر کے شاگرد ..سنہ ۱۲۵۶ھ میں انتقال کیا، قبر کا نشان نہیں معلوم، کسی نے تاریخ ..کہی "ہائے افسوس

وائے مظلوم است .. مگر اس سے ۱۱۷۷ مستخرج ہوتا ہے۔ "است" جزو تاریخ نہ ہو تو البتہ ۱۲۵۶ نکلتا ہے۔

۱۳۰ سخن شعرا: "بیمار.. سید زین العابدین، باشندۂ الہ آباد عدالت میں سر رشتہ دار تھے" روز روشن: "بیمار، میر زین العابدین الہ آبادی از اولاد شاہ محمد افضل الہ آبادی و تلامذۂ شاہ محمد علیم حیرت است۔ در فرخ آباد از عالم فانی بدار جاودانی رخت سفر بربست: ۲۴

نالۂ بلبل کجا رنگینی اہم کجا   دادہ ام صد غوطہ در خون جگر فریاد را

بیمار در دل تو ندانم چہ درد بود   بیمار کرد درد تو بیمار دار را"

۱۳۱ فضل علی خاں کی نسبت تاریخ محتشم میں لکھا ہے کہ ان کے بزرگ "فیلبانان سلاطین دہلی" تھے۔ ورق ۱۹۰، سوانحات جلد ا میں ہے کہ جب پہلے دلی سے لکھنؤ آئے .. سلیماں شکوہ .. کے ہاتھی پر نوکر ہوئے یہ ان کا عہدۂ آبائی تھا .. سوائے سید کے اور قوم فیلبانی نہیں کر سکتا؛ .. بعد کئی برس کے بسفارش اپنی پھپی .. فیض النسا مغلانی کے ملازم سرکار .. بیگم صاحبہ (غازی الدین حیدر کی بیاہتا بیبی) پھر رفتہ رفتہ داروغۂ ڈیوڑھی ہوئے۔" صـ ۲۹۴، اسی کتاب میں ہے کہ معتمد الدولہ آغا میر نے "فیض النسا مغلانی اور معلمۂ بادشاہ بیگم صاحبہ کو اپنا مادر مہربان قرار دیا تھا" جب قید ہوئے تو بیگم ہی کی سفارش سے رہائی ہوئی تھی صـ ۲۴۱، لیکن یہ اپنے زمانۂ وزارت میں بیگم کے سخت مخالف ہو گئے اور میر فضل علی کو گرفتار کرنا چاہا۔ بیگم نے ان کی حمایت کی، ممکن تھا کہ کشت و خون ہو جاتا، لیکن انگریزوں نے مداخلت کی، اور میر فضل علی اور ان کی پھپی اوائل ۱۲۳۸ھ میں روانۂ دہلی ہو گئے۔ میر فضل علی پھر بنارس گئے اور وہاں سے فرخ آباد۔ صـ ۲۵۱۔ نصیر الدین حیدر کا زمانہ آیا، تو یہ اپنی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

سوتیلی ماں بادشاہ بیگم صاحبہ کے زیر اثر تھے "میر فضل علی بہ اخفا لکھنؤ چلے آئے اور جب معتمد الدولہ معزول اور خارج البلد ہوئے تو یہ وزیر مقرر ہو گئے ص ۲۹۵ - (خطاب اعتماد الدولہ وغیرہ) - تاریخ مختتم میں ہے کہ ایک شخص نے تاریخ کہی :

بجاہ واوج وزارت چو پیلبانے شد ۔ زفیض جملہ نشینان پردہ عصمت
مورخش برسر فیل فکر رفت و بگفت ۔ گرفت خوش سر آنکس بری بری دھت دھت

(بری بری دھت دھت کے ۱۲۴۲ اور سر آنکس (یعنی الف) کا الف = ۱۲۴۳ -)

نصیر الدین حیدر سے ان کی بنی نہیں، ایک انگریز نے ان کے اشارے سے ان سے شوخی کی، یہ خفا ہو کر گھر چلے آئے، اور نصیر الدین حیدر کے بلوانے پر بھی نہیں گئے - وہ خود آئے اور منا کر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن، انھوں نے تمام معاملات سے علٰحدگی اختیار کر لی اور خانہ نشیں ہو گئے (تفاصیل میں تاریخ مختتم اور سوانحات میں اختلافات) - صاحب سوانحات کا بیان ہے کہ اعتماد الدولہ نے "آلام روحانی" سے بتاریخ ۱۹ شوال ۱۲۴۵ھ انتقال کیا ص ۳۰۶ -

۲۵ ۱۳۲ اس پریروانغ "یہ مصرع شاد نے مصرع ا کے ساتھ یوں نقل کیا ہے :
"اس کے کانوں تک صدا پہنچا ہی دی زنجیر کی" مکتوبات شاد عظیم آبادی ص ۱۳۲ - ۱۳۳ خمخانۂ جاوید جلد ا میں "واہ ری انگ" دیوان سے نقل ہوا ہے، "پیدا تیر" کے بعد "مادر ساتھ ہو" ہے -

۱۳۳ ناصر نے اعظم علی بیگ، اعظم کا ذکر نہیں کیا، میر اعظم شاہ، اعظم شاگرد آتش کا حال اس طرح لکھا ہے: "بادشاہ کے مجرائیوں میں تھے، حسب الارشاد حضرت اقدس .. تاریخ میں حقۂ بہار محفل کی یہ مطلع کہا تھا، بغایت پسند ہوا:

---

۱ سوانحات ا ص ۲۹۴ میں ہے: "تاریخ.. نے اسی طعن سے (فیلبانی) ان کی (امیر فضل علی خاں) کی تاریخ وفات میں "بری بری دھت دھت" داخل کیا ہے"۔

نہ ہے محبوب، دمساز ے بسے بالطف سامانے بہار محفل وعلیٰ دمے داؤدا لحانے

۱۳۴ باطن کے تذکرے میں مرزا اعظم علی، اعظم شاگرد آتش متوطن الہ آباد کے متعلق لکھا ہے کہ عملہ صدر میں بعہدۂ محرری ممتاز ہیں یہ عرصہ دراز ہوا کہ عاصی کو .. نیاز ہے۔ سن .. قریب ۶۰ سال" (اس تذکرے کا اشتہار اسعد الاخبار آگرہ بابت ۱۲۶۵ھ میں چھپا تھا، لیکن اس کے بہت بعد طبع ہوا۔ سن قریب ۶۰ کس زمانے میں لکھا اس کا فیصلہ مشکل ہے) ۔ اس تذکرے میں منشی میر اعظم علی، اعظم سابق میر منشی مدرسۂ آگرہ کا بھی ذکر ہے۔ سخن شعرا میں سید اعظم علی، اعظم الہ آبادی منشی مدرسۂ اکبر آباد کا ترجمہ ہے۔ جن کا دیوان نساخ کی نظر سے گزرا تھا (نساخ کو دھوکا ہوا، یہ سید نہ تھے) ۔ خمخانۂ جاوید جلد ا میں مرزا اعظم علی، اعظم ابن محمد رضا، شاگرد آتش کے بارے میں مرقوم ہے کہ مدتوں ملازم عدالت آگرہ رہکر پنشن پائی۔ صاحب دیوان مطبوعہ تھے، سال ولادت ۱۸۰۰ء (اس کی کوئی سند پیش نہیں کی) ۔ واضح رہے کہ سکندر نامہ منظوم اردو شاعر ۲۵ کا نہیں میر اعظم علی، اعظم کا ہے۔

۲۶ ۱۳۵ سخن شعرا: "ذاکر .. مولوی ذاکر علی بنارسی خلف مولوی فضل علی شاگرد مصحفی، شعر خوب کہتے ہیں، صاحب دیوان ہیں" ۱۳۶ ذاکر کے ایک شاگرد نکہت کی مثنوی گلزار مسعود (سال آغاز ۱۲۸۰ھ ص ۳ ۔ مطبوعہ ہے مگر ناقص الاول، اس لیے سال طبع نہیں بتا سکتا) میں یہ ابیات ذاکر سے متعلق ہیں عنوان یہ ہے: "داستان توصیف مولانا ذاکر علی مع خاندان و حال استاد .. یعنی سید مصحفی ہمدانی"۔

"گرامی نژاد اور والا نسب مشائخ مکرم بہ الطاف رب
سخن سنج استاد ذاکر علی ہوئے جیسے (کذا) مضمون ہر اک منجلی
تھے معجز نما فن اشعار میں ہزاروں میں نامی نہ دو چار میں
سخنور تھے گو ان کے جد و پدر یہ فن خاندانی تھا ہر چند پر

کی اس فن میں شاگردی مصحفی — کہاں چھوٹے اشرافوں سے اشرفی
کہ تھے مصحفی شہر ہمداں کے شیر — ہوا کوئی شاعر نہ ان پر دلیر
بہ اعزاز آصف انھیں لائے یاں — لڑائی میں رلوڑ کے وہ آئے یاں
غرض لکھنؤ میں بعزت تمام — رہا زندگی بھر وہ شیریں کلام
مخمور ہوئے فیض سے بےحساب — بہت اہل دیوان اہل کتاب
یہ شاگرد اکمل تھے ذاکر علی — بہت مانتے ان کو تھے مصحفی
کہ اکثر کلام ان کے لے کر بہ شوق — کلاموں سے اپنے دیے زیب و ذوق
چنانچہ ہے اس قطعے سے آشکار — برائے سند بس یہی ہے یادگار
پاؤں گر کر قدم لیے ان کے — جن کا بندہ ازل سے مفتوں ہے
مصحفی سچ ہے قول ذاکر کا — "خاکساری بھی زور افسوں ہے"
رہا ذاکر ذاکر انھیں ہر زمان — انھیں مصحفی کے تکلم کا دھیان
پس مرگ بھی یہ بصد امتیاز — دلاتے رہے مصحفی کی نیاز
پڑھانے کے استاد مفضل علی — کہ باپ ان کے تھے اور استاد بھی
فقیہ زماں عالم باعمل — عبادت گزیں ماہر ہر ملل
پسر تین رکھتے تھے مفضل علی — بصورت وہ عالم بہ سیرت ولی
تولد ہوئے پہلے ذاکر علی — پناہ علی بعدہ منجھلی
پسر سوم کا ہے عبد اللہ نام — ہر اک ان میں فاضل اور عالم تمام
ہوئے گرچہ ذاکر علی کے خلف — جواں ہو کے ہو ہو گئے سب تلف
پسر دوم کے کئی ہیں پسر — کلاں سب میں نور الدیں ممتاز تر ..
تخلص وہ کرتے تھے خاص اپنا نور — منور ہیں دیواں کے بین السطور ..
پسر سوم کے پسر ایک ہیں — محمد عمر نام ہے نیک ہیں ..

ذکی فہم مدرک طبیعت سلیم　　تخلص وہ کرتے ہیں اپنا کلیم ..
ہوئی مثنوی ان کے کہنے سے ہے　　مسلسل ہوئی ان کے رہنے سے ہے
بہت سے ہیں شاگرد استاد کے　　کہاں تک بیاں ان کا کوئی کرے
قریں سیف و عابد و شیدا و تاج　　شمیم اور صدیق رضوان سراج
متین خاور و جوش و ہمت امیر　　ہلال اور بیتاب شاعر صغیر"

مصحفی کا ہمدانی اور سید ہونا" آصف (آصف الدولہ) کا انھیں کسی لڑائی کے موقع پر بہ اعزاز لانا یہ سب اختراعی باتیں ہیں۔ مصحفی کے کسی دیوان یا تذکرے میں ان کا ذکر نہیں؛ یقین ہے کہ مصحفی کے زمانۂ آخر کے شاگرد ہوں؛ قطعہ جعلی معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۷ سراپا سخن: "میر عباس، عرفان دہلوی اور کچھ حال معلوم نہ ہوا" بنارس میں شعران کے شاہزادہ فیاض الدین نے پڑھتے تھے لکھ لیے" سخن شعرا: عرفان .. میر عباس دہلوی بڑے تواریخ داں تھے" اس تذکرے میں جو اشعار ہیں ان میں سے ایک سراپا سخن میں بھی ہے۔ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصلی وطن کہاں تھا۔ ۱۳۸ "شاہزادہ" سے جہاندار شاہ کے اخلاف میں سے کوئی شاہزادہ مراد ہے۔ جہاندار شاہ نے بنارس میں وفات پائی تھی اور ان کی اولاد وہیں رہی۔

۱۳۹ "میں نخل الخ" یہ شعر باطن کے تذکرے میں اس طرح ہے اور منسوب بہ مصحفی۔ (مصرع ۲ ان میں ناموزوں):

وہ نخل حنا ہوں کہ جو سر بھی مرا کٹ جائے　　خوں دست بدست اپنا حسینوں ہی میں بٹ جائے

۱۴۰ ریاض الفصحا: "سرفراز علی بیگ قادر، شاگرد عیشی، عرش، قریب سی" سراپا سخن: "مرزا سرفراز علی مرحوم قادر خلف مرزا ہیبکا جو داروغہ میر علی مرثیہ خواں کے تھے، باشندۂ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد .. عیشی" تذکرہ ناصر میں کوئی نئی بات

نہیں۔ اس میں حسب ذیل شعر قادر سے منسوب کیا ہے جو دیوان وزیر میں بھی ہے:

ایک عالم نے جبہہ سائی کی　　اے بتو تم نے بھی خدائی کی

۲۹ ١٤١ شاعر زیر بحث نے حدیقۃ الارشاد اور محامد حیدریہ میں اپنا نام محمد صادق لکھا ہے، اس لیے ۸ اکتوبر ۱۸۴۹ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں جو محمد صادق علی خاں ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ نام کے ساتھ پہلی بار لفظ خاں محامد حیدریہ کی ایک تقریظ میں نظر آتا ہے۔ ان کے والد کا نام محمد لعل[1] تھا اور سنہ ۱۷۸۱ء یا اس کے بعد تک قاضی ہگلی تھے (کیلنڈر آف پرشین کرسپونڈنس جلد ۵ ص ۴۳۸)۔ ناصر کا بیان ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب خواجہ عبید اللہ احرار تک پہنچتا ہے اور ان کے بزرگ ترکستان سے دہلی اور وہاں سے بنگالہ گئے تھے۔ "عہدۂ قضا و خدمت صدر الصدور.. خاندان میں مفوض"۔ اسی کا قول ہے کہ سال ولادت لفظ اختر (= ۱۲۰۱) سے نکلتا ہے؛ حدیقۃ الارشاد کے دیباچے سے اس سال پیدائش کی اس طرح تصدیق ہوتی ہے کہ اس میں عمر ۲۵ سال لکھی ہے اور اس کا سال تصنیف سنہ ۱۲۲۶ھ ہے۔ صبح گلشن میں نواب واثق علیخاں، واثق خلف یار بیگخاں رئیس ہگلی کو ان کا خسر لکھا ہے۔ یہ مسلمات سے ہے کہ قتیل کے شاگرد تھے اور قرینہ ہے کہ لکھنؤ جانے کے بعد تلمذ اختیار کیا ہوگا۔ وہاں کب جانا ہوا اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن حدیقۃ الارشاد سنہ ۱۲۲۶ھ میں نواب نصیر الدولہ (بعد کو شاہ اودھ محمد علی شاہ) کی فرمایش سے لکھنؤ میں لکھی تھی۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے ایک مصیبت عظیم کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی: "از مبادی انتشار طباشیر صبح تا حال .. بانشاے مؤلفات غریب و منشآت بدیع .. راغب بود۔ ناگاہ .. وحشت افزا واقعہ ام پیش آمد کہ تخلیۂ آن دل آسودگان اطمینان سراے وحدت بلا

---

[1] اشپرنگر نے ریاض الوفاق کے حوالے سے خود اختر کا نام محمد علی لکھا ہے ص ۱۶۶۔ یہ صاحب ریاض نہیں، خود اشپرنگر کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

دراضطراب جاوید... وپائے کوہ را بجنباند.. ذالک ستیزہ کار با من نرد کج باختت وبنیان من در آں شغل دلپذیر بہ سنگ تفرقہ انداخت .. طبیعکہ ہمیشہ محکوم.. بود بر سلطان خرد آنقدر مستولی شدہ کہ عنان شکیبائی از دست دادہ.. چار وناچار از کار بیکار دولاز خود بیخود ہ بودہ، در گوشۂ ناکامی انزوا وتمکن اختیار نمودہ، عمر گرانمایہ را در عبادت معبود.. بسر میبرد" اس کے بعد نصیر الدولہ کی فرمایش کا ذکر ہے ۔ناصر لکھتا ہے کہ "پیش ازیں.. خدمت منشی گری صاحب کلاں لکھنؤ سے ممتاز تھا بعد اس کے.. غازی الدین حیدر نے گھر سے اس کو طلب کیا اور عہدۂ تالیف وتصنیف پر ہزار روپے کا نوکر رہا" میں ان باتوں کی تصدیق یا تکذیب سے قاصر ہوں ۔خود اختر نے دیباچۂ محامد حیدریہ میں لکھا ہے کہ غازی الدین حیدر کے جلوس کی خبر سن کر د ۱۲۳۵ھ میں لکھنؤ آیا، حاضر خدمت ہوا اور خلعت پایا (غالباً خطاب خانی بھی ملا خواہ خلعت کے ساتھ یا اس کے بعد) ۔محامد فرمایش شاہی پر لکھی تھی اور بطور نذر پیش کی تھی ۔

غازی الدین حیدر ۱۲۲۹ھ میں مسند نشین اودھ ہوئے تھے، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے انھیں خطاب شاہی ۱۲۳۵ھ میں دیا تھا، اور محامد حیدریہ سے صاف ظاہر ہے کہ خبر جلوس سے اعلان بادشاہی مراد ہے ۔اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ یہ ۱۲۲۶ھ میں یا اس سے بیشتر لکھنؤ آکر چلے گئے تھے اور عہد غازی الدین حیدر میں دوسری بار آئے تھے۔ شمع انجمن معنفہ صدیق حسن خاں میں یہ بھی مرقوم ہے کہ غازی الدین حیدر نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا، مگر قدیم تر تذکروں سے جو اس وقت پیش نظر ہیں اس کی تصدیق نہیں ہوتی ۔مگر اسعد الاخبار میں نام سے قبل ملک الشعرا) نام کا بیان ہے کہ بعد برہمی) عہد دولت .. خلد مکاں (غازی الدین حیدر، وفات ۱۲۴۳ھ) ضلع کانپور میں نوزدہ سال سے بہ عہدۂ تحصیلداری مامور رہا، حالیا (ظاہراً ۱۲۶۱ھ) عرصۂ دو سال سے وارد لکھنؤ ہے" سوانحات سلاطین اودھ جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ میں ہے کہ

سلیمان شکوہ، پسر شاہ عالم کے بڑے بیٹے مرزا مظفر بہادر جب اپنی اولوالعزمی کی لکھنؤ سے .. راجپوتانہ ہیں گئے قاضی محمد صادق خاں، .. اختر نواب معین الدولہ .. وغیرہ اکثر شرفائے لکھنؤ بھی ساتھ تھے، بہت سے ہاتھ پاؤں مارے، کچھ کچھ ہر راجہ سے پیشکش ملی بعد کئی برس کے سرگرداں ہو کر پھر آئے، رفقائے سفر اپنی تلاش معاش کو ہر طرف چلے گئے" سلیمان شکوہ نصیر الدین حیدر کے پہلے سال جلوس ۱۲۴۳ھ ۱۲۴۴ھ میں ان سے ناموافقت کی وجہ سے لکھنؤ چلے گئے تھے، یہی زمانہ اختر کے بھی لکھنؤ سے نکلنے کا ہوگا۔ بقول ناصر عہد امجد علی شاہ (وفات ۱۲۶۳ھ) میں لکھنؤ واپس آئے، لیکن وہ یہ نہیں بتاتا کہ اس سے قبل وہ کہاں کہاں رہے۔ حاشیۂ تذکرۂ ناصر (ترجمۂ مرزا محمد تقی، اختر قرابت دار منتظم الدولہ) میں یہ حکایت بھی درج ہے کہ "ایک روز واجد علی شاہ .. نے اپنے عہد سلطنت میں محمد صادق خاں اختر .. اور اس بدر اختر کو .. طلب کیا اور .. بہت خاطر داری فرمائی، اور قیصر باغ کے برج میں حضرت سلطان عالم اختر اور محمد صادق خاں اختر اور یہ اختر یکجا ہوئے۔ اتفاقاً اس دن محمد صادق خاں کے کان میں درد تھا اور سلطان عالم کے گوش مبارک میں کہ از حد ثقل سماعت ہے اور یہ بدر اختر .. مدام کا بہرا ہے۔ یہ تینوں بہرے ایک برج میں .. جمع ہوئے اور حضرت نے کلام اپنا ان دونوں اختروں کے آگے پڑھا ان دونوں نے تو سنا کچھ نہیں لاکن واہ واہ کا غل مچایا بعد ان کے ان دونوں بہروں نے اپنا اپنا کلام .. پڑھا، حضرت نے بھی بغیر سنے تعریف فرمائی۔ ایک مصاحب خاص وہاں حاضر تھے کہنے لگے کہ تین کانے تو سنے تھے لیکن آج تین بہرے دیکھے۔ الغرض سلطان عالم نے .. فرمایا کہ تم دونوں صاحب اپنا اپنا تخلص ہم کو دو۔ ان دونوں .. نے دست بستہ عرض کیا بہت بہتر چنانچہ حضرت نے محمد صادق خاں .. کا تخلص خوشتر تجویز فرمایا اور اس بدتر کا تخلص بہتر تجویز ہوا بعد اس کے ان دونوں .. کو خلعت دیکے رخصت کیا"

مقدمہ

ریختہ گوئی کا مرکز ثقل عہد محمد شاہ (سنہ ۱۱۳۱ھ تا سنہ ۱۱۶۱ھ) میں دکن سے دہلی منتقل ہوا ہے اور ریختہ گویوں کی تذکرہ نگاری کی ابتدا بھی اسی دور میں ہوئی ہے، مگر جو تذکرے اس وقت موجود ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو سنہ ۱۱۶۵ھ سے بیشتر مکمل ہو سکا ہو۔ اس زمانے سے سنہ ۱۲۵ھ تک جس کے لگ بھگ تذکرۂ ہذا سپرد قلم ہوا ہے، کم و بیش چالیس تذکرے وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے ۱۴ (بشمول ن) معرض طبع میں آچکے ہیں، ایک (تذکرۂ مسرت افزا) بہ اقساط معاصر میں چھپ رہا ہے، کچھ نابید ہیں اور باقی کنج خمول میں پڑے اس کے منتظر ہیں کہ کب منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔

شفیق نے گل رعنا کے دیباچے میں بیاض و تذکرہ کا فرق ان الفاظ میں دکھایا ہے: "بیاض تنہا مشتمل بر اشعار بقید نام شاعر و بلا قید میباشد و تذکرہ محتوی ہم بر احوال شاعر میباشد و ہم بر اشعار او" اور اس نے فارسی گویوں کے بیشتر تذکروں کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "حکم بیاض دارد نہ تذکرہ" اس سے صورت حال صحیح طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی تذکرہ ہو جس کا معتد بہ حصہ تذکرہ کہے جانے کا مستحق نہ ہو، مگر ان کا کچھ حصہ بے شبہ بطور بیاض ہوتا ہے اور یہ بات ریختہ گویوں کے قدیم تذکروں پر بھی صادق ہے۔ ان میں بکثرت ایسے شعرا ہیں، جن کا کلام تو کچھ نہ کچھ درج ہے، لیکن حالات مطلقاً نہیں، مزید یہ کہ جن شعرا کے حالات ہیں، ان کے متعلق بھی عموماً زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا اور نہایت ضروری باتیں نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ اشعار کے غلط انتساب کی مثالیں بھی تذکروں میں بہت ملتی ہیں اور جا بجا ایسے عبارات پائے جاتے ہیں جو مصنف کے مافی الضمیر کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتے اور غلط فہمی کا باعث ہوتے ہیں۔ تنقید ان میں یا تو ہوتی ہی نہیں، یا ہوتی ہے، تو عموماً ایسے الفاظ میں جن کے معانی کی تعیین آسان نہیں۔

تذکرۂ ہذا جس کا کوئی نام مصنف نے نہیں رکھا، کسی کتاب کا ضمیمہ معلوم ہوتا ہے۔

روز روشن میں ہے کہ آخر عمر میں واجد علی شاہ کی نوکری کی۔ ۳ ستمبر ۱۸۴۹ء کے اسعد الاخبار میں یہ خبر درج ہے کہ واجد علی شاہ حملۂ حیدری کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔ مدیر اخبار نے صاحب زبدۃ الاخبار کی اس رائے سے اتفاق ظاہر کیا ہے کہ "اگر حضرت سلطانی اس کام کو جناب ملک الشعرا، قاضی محمد صادق خاں، اختر کو سپرد کر دیں تو کیا خوب ترجمہ ہو اور خود بدولت امور سلطنت کے نظم میں توجہ کریں تو کس خوبی سے ملک آراستہ ہو" اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس وقت تک اودھ میں تھے، لیکن ۱۸ اکتوبر سنۂ مذکور کے اسعد الاخبار میں ہے، "اگرچہ ضلع اٹاوہ مرزا کلب حسین خاں بہادر (شاعر ۱۶) ڈپٹی کلکٹر کے اقدام سے رونق بے اندازہ رکھتا تھا مگر اب بہ سبب قدوم.. قاضی محمد صادق علیخاں، اختر جو وہاں کی تحصیلداری پر مقرر ہو کر تشریف لائے.. اٹاوہ کی کچھ اور ہی رونق ہو گئی۔ از آنجا کہ قاضی صاحب کے اوصاف حمیدہ سے ہر دیار کے لوگ خوب واقف.. ہیں، اس شہر کے رہنے والے ان کے تشریف لانے سے ایسے خوش.. ہیں کہ گویا خضر ملا" اس سلسلے میں نادر نے جو تاریخی قطعات کہے تھے ان میں سے ایک یہ ہے:

محمد صادق خاں خوانیں   کہ گویندش نکو اختر نکو نام
پے تاریخ استقلال خدمت   زنادر گو شش کن منظور حکام

"استقلال خدمت" سے نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے غیر مستقل طور پر نوکر تھے۔ بہر حال اشپرنگر لکھتا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں کسی جگہ کانپور کے قریب ڈپٹی کلکٹر ہیں، لیکن محسن ظاہرا ۱۲۶۹ھ میں لکھتا ہے کہ "ہمیشہ عہدۂ عمدہ پر مامور رہے اب تحصیلدار اٹاوہ ہیں" روز روشن میں ہے کہ شورش ۵۷ء کے ختم ہونے کے بعد لکھنؤ میں مقیم ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ اس کتاب میں اختر کی مہارت کیمیا و سیمیا و ہیمیا کا ذکر ہے اور نساخ نے ان کے کمال شعبدہ بازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۴۲ تصانیف: (۱) دیوان اردو کا ذکر محسن وغیرہ نے کیا ہے، اس پر ایک مقالہ جناب اثر نے لکھا ہے جو "چھان بین" میں شامل ہے (۲) دیوان فارسی کا ذکر محسن وغیرہ نے کیا ہے (۳) حدیقۃ الارشاد انشا کی کتاب ہے (۴) نور الانشا (شمع انجمن) (۵) گنج نیر نج (سخن شعرا) (۶) لوامع النور محبت (ناصر) روز روشن میں لوامع النور فی وجوہ المنثور (۷) مفید المستفید (ناصر) (۸) بہار بیخزاں (ناصر) (۹) گلدستۂ محبت (۱۰) نقود الحکم (شمع انجمن) (۱۱) بہار اقبال (ناصر) (۱۲) صبح صادق (مطبع مصطفائی ۱۲۶۸ھ) کے موضوع کے بارے میں اشپرنگر کو دھوکا ہوا ہے وہ سمجھا ہے کہ اس میں اختر نے خود اپنے حالات زندگی لکھے ہیں۔ اس میں ایک آدھ واقعہ تو ضرور ہے، لیکن اس کا کوئی خاص موضوع نہیں، محض قوت انشاپردازی دکھانے کی غرض سے لکھی گئی تھی (۱۳) آفتاب عالمتاب "تذکرۂ شعرائے فارسی بہ تعداد ۲۲۶۴ سخنوراں.. تاریخ ابتدا.. مساجع البلغا (=۱۲۳۸) و در بعض حواشی آں بخط مؤلف و بخاتمۂ مبیضہ اش کہ بحک و اصلاح مؤلفش مزین است تاریخ ختم ۱۲۶۹ھ از ہجرت.. نگاشتہ" (روز روشن)۔ (۱۴) محامد حیدریہ ۱۲۳۸ھ میں تمام ہوئی اور مطبع شاہی میں ٹائپ میں چھپی، دوسری بار ۱۲۷۷ھ میں طبع ہوئی۔ مصنف نے ظاہراً اسی کو مناقب حیدریہ لکھا ہے۔ موضوع غازی الدین حیدر کی مدح ہے، لیکن ضمناً اور چیزیں بھی آگئی ہیں، مثلاً حکایات، بیان صنائع و بدائع، نمونۂ خطوط، حالات اشخاص۔ (۱۵) ہفت اختر انشا (اشپرنگر) (۱۶) مثنوی سراپا سوز، مصنفہ ۱۲۳۱ھ، تقریباً ۶۵۰ اشعار، مطبوعہ مطبع مسیحی لکھنؤ ۱۸ صفحات (ہر صفحے میں ۳۸ اشعار) بیت اول:

خلق عالم سے مدعا ہے عشق	مظہر ذات کبریا ہے عشق

(اشپرنگر)

(۱۷) مثنوی سوز و ساز (کتبخانۂ مشرقیہ پٹنہ) ۲۱ اوراق (ہر صفحے میں ۱۶ شعر)، تقریظات مزید برآں۔ زمانۂ تصنیف نور شاگرد اختر کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے:

اس کی چاہیے اگر کوئی تاریخ ہے بیان شہادت عاشق = ۱۲۴۴!

بیت ا: عشق ہے نور سے گرانمایہ عشق ہے ذات شخص بے سایہ

۳۰ اندوہ کا ذکر ریاض الفصحا اور ان کے والد قسمت (شاگرد مصحفی) کا ترجمہ تذکرۂ ہندی میں ہے۔

۱۴۴ نام امداد علی (تذکرۂ ناصر) ولد شیخ امام بخش (مجموعۂ واسوخت مرتبۂ عیش)۔ ناصر نے کچھ ایسے الفاظ ان کے متعلق استعمال کیے ہیں کہ ان کے با ان کے بزرگوں کے فیلبان ہونے پر مشعر ہیں: "بلند آوازگی میں نقارۂ فیلی بیت کی کرسی سے ایوان گردوں پست اور سلسلہ نظم کا زنجیر فیل مست"... یاعلی مدد، بری بری دھت دھت۔۔ چند اشعار آنکس است" وطن اصلی فیض آباد، دیوان میں ہے:

پوچھا بھی ہے عبث حال خرابی وطن بحر ہی جب نہ رہے کیا فیض آباد رہے ۱۲۳۹

امیر مینائی نے ۱۲۹۰ھ میں عمر ۶۵ سال بتائی ہے، اس سے زمانۂ ولادت معلوم ہو سکتا ہے۔ (انتخاب یادگار) ان کی عروض و قافیہ سے بہت اچھی واقفیت کا ذکر ناصر و عیش نے کیا ہے۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ مگر ناصر کہتا ہے کہ ان کی "زبان پر یہ تذکرہ تھا کہ شیخ صاحب کہتے تھے میرے شاگرد مجھ سے بہتر، خود پسندی ان پر تمام اور ناپسند (کذا) کلام خاص و عام"۔ عیش نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی آواز میں رعشہ زیادہ ہے اس سبب سے شعر کم پڑھتے ہیں۔ بحر کا دربار امیر سے توسل ہو گیا تھا، لیکن ان کی وفات لکھنؤ میں ۱۳۰۰ھ میں ہوئی (جلوۂ خضر ۲)۔

بحر کا دیوان رند نے ۱۲۵۲ھ میں مرتب کیا تھا، ریاض البحر تاریخی نام ہے:
بحر کہتے ہیں: جامع اس دفتر کے ہیں سید محمد خاں رند اس سراپا لطف کا یہ
بحر پر احسان ہے ص۲۸۳ لیکن دیوان ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوا اور اس وقت
یہی نام رہنے دیا گیا۔ رند شورش ۱۸۵۷ء سے قبل ہی وفات پا چکے تھے، ظاہر
ہے کہ ان کے مرتب کردہ دیوان میں وہ اشعار بھی جو انطباع سے قبل تک
لکھے گئے تھے اضافہ کر دیے گئے ہوں گے۔ یہ دیوان ۲۸۲ صفحوں پر مشتمل ہے
اور ہر صفحے میں کم و بیش ۳۴ اشعار ہیں۔ اس میں غزلوں اور رباعیوں کے
سوا اور کچھ نہیں۔ امیر نے جو ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے اس سے پیشتر
لکھا ہے: "یہ ان کے کلیات مطبوعہ کا انتخاب ہے" منتخب کلام میں دو قصیدوں
کے بھی چند اشعار ہیں جو کلیات مطبوعہ میں موجود نہیں۔ ان دونوں
قصیدوں کا رامپور سے تعلق ہے، ایک ۱۲۸۵ھ سے قبل کا اور
ایک اس کے بعد کا ہے۔ عیش کے مجموعے میں ان کے زود واسوخت بھی ہیں اور
قواعد اردو سے متعلق ایک مختصر سا رسالہ کتب خانۂ رضائیہ رامپور میں ہے جسے
میں نے محض سرسری طور پر دیکھا تھا۔ صفیر نے ایک اردو خط بھی ان کی طرف
منسوب کیا ہے (جلوۂ خضر ۲) ۱۴۵ بحر کا شعر جو تذکرۂ ہٰذا میں ہے دیوان
مطبوعہ میں نہیں۔

۱۴۶ علی حسین خاں نہیں، صحیح نام حسین علی خاں ہے (مصحفی و شیفتہ و
ناصر وغیرہ)۔ ان کے والد امیر الدولہ حیدر بیگ خاں سرفراز الدولہ نائب
آصف الدولہ کے نائب تھے۔ مگر چونکہ سرفراز الدولہ امی محض تھے، عنان
انتظام دراصل انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ ان کا سال وفات لفظ "غرور"
سے نکلتا ہے (۱۲۰۶ھ) قطعۂ تاریخ وفات کلیات ناسخ میں بھی ہے ص۳۹

مصحفی کا قول ہے کہ حسین علی خاں ' اثر کو "شیفتہ گری" ہیں مو تھا (ریاض الفصحا)
ناصر کا قول ہے کہ "کون سا ہفتہ تھا کہ شاعروں کی صحبت ان کے دولتخانے میں
نہ ہوتی تھی۔ اسی میں دولت ان کی صرف ہوئی۔ بیک بہ چشم زدن گردش چرخ
کہن نے اس مغتنم روزگار کو عدم کر دیا اور شوق شاعری کو کم "کریم الدین کہتا
ہے کہ "بڑے رتبے کا عروضی سننے میں آیا ہے" دتاسی اور کریم الدین دونوں نے
انھیں آصف الدولہ کا بھانجا لکھا ہے' یہ غلط محض ہے۔ ان دونوں نے ان کی
عمر ۹۲ سال بتائی جس کی صحت میں مجھے شبہہ ہے، سال وفات دتاسی ۱۸۶۵
اور کریم الدین ۱۸۴۵ لکھتا ہے؛ قول اول تو کسی طرح صحیح نہیں ' قول آخر
قرین قیاس ہے۔ صفیر کا بیان ہے کہ "اپنے دیوان کو خوشخط لکھوا کر مطلا مذہب
کیا تھا اور شعرا کی دعوت کر کے اپنا دیوان تکیے پر رکھ کر سنایا کرتے تھے" (جلوہ خضر ۲)
سریرام کا قول ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتبخانۂ ریاست رامپور میں ہے۔

۳۲ ۱۴۷ مرزا حاجی عرف ' اصلی نام قمر الدین احمد خاں ' خطابات افتخار الدولہ '
محیین الملک ' صولت جنگ (خاتمۂ دستور الفصاحت ص ۱۲۰) ۔ تخلص مہر نہیں قمر ہے
(خاتمہ و ریاض الفصحا وغیرہ) ۔ مصحفی نے ان کی عمر "متجاوز از چہل" بتائی ہے
اور خاتمۂ دستور فصاحت میں تخمیناً چہل و حرنج ہے۔ یہ اندازہ میری رائے میں
تیرھویں صدی کے تیسرے عشرے کے اواخر کا ہے۔ خاتمے میں یہ بھی لکھا
ہے کہ سات آٹھ برس سے شاعری کا شوق ہوا ہے۔ تلمذ قتیل خاتمے کے علاوہ
ریاض الفصحا وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔ ان کے والد مرزا فخر الدین احمد خاں
عرف مرزا جعفر بھی شاعر تھے، مگر فارسی گو (ریاض الفصحا) ۔ یہ کرنیل بیلی
رزیڈنٹ لکھنؤ کے متوسلین سے تھے' اور صاحب سوانحات سلاطین اودھ کا
قول صحیح ہے تو غازی الدین حیدر کی مسند نشینی میں انھیں بھی دخل تھا (جلد ا ص ۲۰۶)

یہ نیابت کے امیدوار تھے، لیکن، غازی الدین حیدر اس پر راضی نہ ہوئے اور "مرزا جعفر۔ بہت غم و غصہ کھا کر آخر بسبب سن شیخوخت مسلول و مدقوق ہوئے" مگر اس کے باوجود نیابت کی طمع میں بیلی کے ساتھ کانپور گئے۔ واپس ہوئے تو بیماری اور بڑھ گئی "آخر کار ناکام اس جہان سے اٹھ گئے" (سوانحات ص ۲۰۸)

وفات سنہ ۱۲۳۰ھ (ریاض الفصحا)۔ غازی الدین حیدر مرزا حاجی کو جو ان کے مقربین خاص سے تھے، نائب بنانے کے لیے تیار تھے، مگر اس بنا پر کہ باپ کو بہت ناگوار گزرتا، راضی نہ ہوئے۔ بعد وفات مرزا حاجی غازی الدین حیدر کا ان کی طرف بہت التفات رہا اور اس وجہ سے ان کے یہاں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ غازی الدین حیدر نے ان کے بیٹے اور بھائیوں کو نظامت بھی دی۔ انھیں ڈر تھا کہ بھائیوں کو نظامت ملنا ان کے لیے مشکلات پیدا نہ کرے، مگر اس پر راضی ہی ہونا پڑا۔ ان کا اندیشہ غلط نہ تھا، معتمد الدولہ نے محاسبہ کیا، پانچ برس یہ اور ان کے بھائی اپنے گھر میں قید رہے۔ معتمد الدولہ اس پر بھی مطمئن نہ تھے، وہ ایک ایسی چال چلے کہ غازی الدین حیدر کو ان کے اخراج کی اجازت دینی ہی پڑی اور یہ بتاریخ دہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۲۸ ہجری (یہ دراصل سنہ ۱۲۳۸ھ) مطابق سنہ ۱۸۲۲ء لکھنؤ سے کانپور گئے[1]۔ (سوانحات جلد ۲ ص ۷ و ما بعد)۔ یہ قول صاحب سوانحات کا ہے کہ معتمد الدولہ نے عیاری سے انھیں نکالا، لیکن، صاحب تاریخ محتشم کا بیان کچھ اور ہے: "مرزا حاجی بمحاسبہ۔۔ از دو بار موقوف شد، بعد از چند سال بودنش در شہر مناسب

---

[1] کلیات ناسخ میں بعنوان "تاریخ" یہ قطعہ موجود ہے، اس کا تعلق اخراج سے ہے۔

ماہ چہارم دیاز دہم | خوار قمر شد ہائے افسوس ص ۳۹۳
گفتم سال اخراجش | شہر بدر شد ہائے افسوس = ۱۲۳۸

ندالسنہ اخراج یافت و تعلیقۂ خانہ اش گردید و سببش ایں بود کہ شخصے از قوم برہمن یارا جپوت را بصلاح میر غلام علی، پسر حامد علی بایں ارادہ آمادہ نمودہ بود کہ اگر معتمد الدولہ را بکشد چندیں ہزار روپیہ بجلد وے آں بخشند دہند وے مذکور دست آویز نذرے کور گرفتہ بہ بازوے خود بست و منتظر وقت نشست ۔ بروزیکہ شادی کدائی (کدخدائی) پسر حکیم واجد علی خاں بمکان معتمد الدولہ قرار یافتہ.. سلاح بستہ بہنگامۂ خلائق شریک شدہ بخانہ شادی آمد و قصد قتل معتمد الدولہ نمود..ناسخ ازیں ارادہ آگاہ شدہ معتمد الدولہ را خبردار کرد، مشارٌ الیہ قبل از وقوع واقعہ آں کافر را بقتل آورد.. و دست آویزیکہ بر بازوے او بستہ بود بحضور پیش بردہ گواہاں برو گذرانید و ارتکاب ایں عمل میرزا حاجی ثابت نمود و از شہر اخراج گردانید و فقیر محمد خاں از حربۂ آں مقتول کہ زخمے بدست رسید مجروح گردیدہ بلقب بہادری ممتاز شد و میر غلام علی کہ بانی ایں امر بود چند سال بقید ماندہ جاں بحق تسلیم نمود.. ہرچند معتمد الدولہ دغدغۂ رہائی و سلوک بے پایاں نمود کہ اقرار گناہ میرزا حاجی رو بروے رئیس نماید،. مشارٌ الیہ جان داد و لب بہ اظہار نکشاد"

(ورق ۱۰۵) معتمد الدولہ نے مرزا حاجی کے مکانات محسن الدولہ (نواسۂ غازی الدین حیدر) کو دیدیے کہ واپس نہ مل سکیں ۔مرزا کانپور چلے گئے اور منتظم الدولہ نے ان کا دوسو ماہوار مقرر کر دیا۔ نصیر الدین حیدر نے منتظم الدولہ کو لکھنؤ بلوایا تو یہ بھی ساتھ گئے، مگر جب ان کی صورت قیام اعتماد الدولہ کی وجہ سے نہیں ہوئی تو مرزا ان سے الگ ہو کر اعتماد الدولہ کے متوسلین میں داخل ہو گئے، وہی مشاہرہ قرار پایا جو منتظم الدولہ دیا کرتے تھے، اور املاک پدری بھی جو فرنگی محل میں تھی واپس ملی لیکن املاک ذاتی جو

محسن الدولہ کے قبضے میں تھی نہ مل سکی۔ روشن الدولہ کے زمانۂ وزارت میں انھیں امید ہوئی کہ کوئی صورت فلاح کی نکلے گی۔ اس لیے کہ ان سے قرابت ہے، لیکن، انھوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور مرزا اور ان کے بیٹے علی حسن کو لکھنؤ سے نکال دیا" یہ دونوں کانپور چلے گئے، مگر دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا اور ان کے بڑے بیٹے مرزا محمد اور مرزا مبارک علی کو اخراج کے دوسرے ہی دن " خلعت دوشالہ و رومال دیا" رامپور کے نواب محمد سعید خاں مرزا کے رہین منت تھے، وہاں گئے بہت احترام سے پیش آئے لیکن، نوکری نہ دی (ص ۵۷ " لیکن.. نوکر رکھا" یہ غلط معلوم ہوتا ہے) مرزا علی حسن کو البتہ ملازمت ملی۔ واجد علی شاہ کے عہد میں جب علی نقی خاں وزیر ہوئے تو مرزا کی ان سے بھی رشتہ داری تھی، انھیں لکھنؤ میں رہنے کی اجازت مل گئی اور یہ بتاریخ ۸ رمضان ۱۲۶۵ھ ۔ فروری ۱۸۴۹ء لکھنؤ آ گئے۔ سوانحات جلد ۲ سال وفات ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۳ء لکھا ہے (ص ۷۶) ۔ حاشیۂ خاتمۂ دستور الفصاحت میں بحوالہ گل رعنا ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء ص ۱۲۱ ۔ میرے نزدیک ۱۸۵۸ء نہیں ۱۸۵۳ء صحیح ہے، گو اس وقت میں اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں دے سکتا۔ ۱۴۸ شیفتہ نے نہ جانے کس طرح قمر کو خلف مرزا نقی ہوس لکھ دیا ہے ۱۴۹ قمر فارسی گو بھی تھے (روز روشن) ۱۵۰ دیوان اردو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتبخانے میں موجود ہے۔

۳۳ ۱۵۱ " رنگیں.. در ۱۲۴۳ھ مطلب نواب ذوالفقار بہادر در شہر باندہ وارد گشت" (روز روشن)۔ وفات نواب ۱۲۶۲ھ (دیوان ۲ میر)

۳۴ ۱۵۲ مرزا محمد نقی، ہوس مرزا علیخاں کے بیٹے تھے۔ مؤخر الذکر اور سالار جنگ بہو بیگم مادر آصف الدولہ کے حقیقی بھائی تھے۔ نساخ کا مرزا علیخاں کو

سالار جنگ کا بیٹا لکھنا غلط محض ہے۔ مصحفی نے ہوس کا حال غالباً ۱۲۲۱ھ میں لکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ اس وقت عمر ۴۰ سے متجاوز تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اوائل میں میر حسن سے تلمذ تھا، بعد کو میرے شاگرد ہوئے (ریاض الفصحا)۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ محمد حسنین صاحب (استاد اردو گیا کالج) کے پاس ہے اور اس میں "اس محلے ارلخ" موجود نہیں؛ یہ شعر جرأت کا ہے اور کلیات میں ملتا ہے۔ دیوان ہوس کا ایک ضخیم تر نسخہ کتب خانہ رضائیہ رامپور میں ہے۔ انتخاب دیوان حسرت موہانی نے شائع کیا ہے۔ ان کی مثنوی لیلیٰ مجنوں مدت ہوئی طبع ہوئی تھی۔

۱۵۳ یاس کے دیوان مطبوعہ کا خاتمہ ان کے داماد (شمس العلما) محمد سعید، ۳۵
حسرت عظیم آبادی نے لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت سنہ ۱۲۰۴ھ میں اور وفات سنہ ۱۲۶۳ھ میں ہوئی (شب سہ شنبہ ذیقعدہ)۔ خاتمے میں ہے کہ مفتی آرہ تھے ۱۵۴ دونوں شعر دیوان میں ہیں، لیکن شعر ۲ کا مصرع ا دیوان میں یوں ہے: "چشم تر لب خشک اور چہرہ اداس" ۱۵۵ دیوان یاس مطبوعہ سنہ ۱۲۷۲ھ سے تلمذ راسخ ثابت ۱۵۶ مطبوعہ سنہ ۱۲۷۲ھ دیوان میں فارسی نظم و نثر اور اردو اشعار موجود ہیں۔ یاس کا ایک اردو خط معاصر حصہ ۲ میں شائع ہوا ہے۔ اور پھلواری میں فارسی خطوط کا قلمی مجموعہ کسی شخص کے پاس ہے۔
۱۵۷ اشعار ذیل دیوان سے ماخوذ ہیں:

یہ زیبا ہے کہ تو جب راہ چلتا ۔۔۔ جلو میں تیرے مہر و ماہ چلتا
طریق وصل اگر ہوتا دم تیغ ۔۔۔ ہیں تو بھی سر کے بل واللہ چلتا
نہیں کوئی طریق پر خطر میں ۔۔۔ کسی کو بے لیے ہمراہ چلتا
دلے راہ عدم کیا بے خطر ہے ۔۔۔ کہ ہے اکلا گدا و شاہ چلتا
دریائے اشک یاس ہوا چشم سے رواں ۔۔۔ آیا جو ذکر راسخ غفراں مآب کا
جلوہ گر بھی نہ تھا وہ آئینہ رخسار ہنوز ۔۔۔ تب سے ہوں حیرتی جلوۂ دیدار ہنوز

قید سے عشق کے واقف نہ تھا کوئی مگر
یاس ان زلفوں کا تب سے ہے گرفتار ہنوز

مرجاؤں پہ جینے کی تمنا نہ کروں میں
منت کشی خضر و مسیحا نہ کروں میں

وضع جہاں سے نفرت دل کا معاملہ
یاں تک کھچا کہ آپ سے بھی اب کشیدہ ہوں

ہر داغ تازہ کہتا ہے مجھو مجھے نہ داغ
بستان عشق کا میں گل نو دمیدہ ہوں

نہیں ہے عرش سے تا فرش کچھ سوائے سخن
یہ سمجھے بات جو کوئی ہو آشنائے سخن

سخن بجا ہے کہ اس میں نہیں بجائے سخن
کہ جان جائے ولی ہاتھ سے نہ جائے سخن

کیونکہ کہیں میرے نین رسوا نہ کریں گے
گر دیدہ و دل یہ ہیں تو کیا کیا نہ کریں گے

یاس دیکھو سبز پھر دشت و چمن سارے ہوئے
زندگی دو دن ہے کیا بیٹھے ہو جی مارے ہوئے

مرغان چمن جملہ ثنا خواں ہیں گل کے
پر یہ نہیں معلوم کدھر کان ہیں گل کے

کہے ہے اے یاس مجھ سے ساقی ابھی نہ ہو مست بیقراری
کہ دختر رز تو خلوت خم سے تا سبو بھی نہیں گئی ہے

جاں کرے بھی کہیں طلب کوئی
جی سے حاضر ہیں یاں تو سب کوئی

راستی فوارہ ساں اس میری آب و گل میں ہے
ہے وہی جاری زباں پر جو کچھ اپنے دل میں ہے

یہ پیش آیا مجنوں کو اس دل کے پیچھے
کہ کوسوں گیا روتا محمل کے پیچھے

کل جو اک مرثیہ درد سنایا ہم نے
دیر تک حضرت مجنوں کو رلایا ہم نے

ہمکی درد تھے اے یاس ولے آہ نہ کی
یاں تلک درد محبت تو چھپایا ہم نے

__۱۵۸__ صبح گلشن میں ایک فارسی گو شاعر قاضی لطف علیخاں، "ناطق" از ممتاز ان ۳۶
شہر بنارس" کا ذکر ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ناطق ہیں جن کا حال تذکرے
میں ہے یا کوئی اور — سید پور ضلع غازی پور میں ہے۔
__۱۵۹__ سخن شعرا میں ہے: "ہادی تخلص سید محمد مہدی تمیز استدار شاہ نور علی مرحوم ۳۷

اس کے قلمی نسخے[1] کے صفحۂ اول میں بسم اللہ الخ سے قبل عبارت ذیل مرقوم ہے "اشعار شاعران ہندی زبان ہر زمین کہ برزبان من خاطر پریشاں بود، برطبق ایمائے آں فیض رساں آسماں شان صورت سنبل گل رویاں بشانۂ خامۂ شائقگی کردہ جمع نمود"۔

"فیض رساں" کون ہیں اور مصنف کا کیا نام ہے، یہ باتیں نہ ان میں ہیں نہ کسی اور ذریعے سے معلوم ہو سکیں۔ ان سے یہ پتا البتہ ملتا ہے کہ شاعر ۳، امین اللہ، طوفاں[2] مصنف کے والد اور شاعر ۲۱، خان اللہ آبادی ان کے استاد تھے۔ امین اللہ، طوفان کا مستقل ترجمہ کسی دوسرے تذکرے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ یادگار ضیغم مطبوعہ ۱۳۰۲ھ میں جہاں عظیم اللہ، رغمی کا حال لکھا ہے، انھیں ان کا والد البتہ بتایا ہے اور آزاد نے آبحیات میں رغمی کی وساطت سے ناسخ سے متعلق حصول معلومات کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے والد کے بارے میں بغیر اس کے کہ ان کا نام آئے کچھ باتیں حوالۂ قلم کی ہیں۔ آزاد لکھتے ہیں:

"بزرگان قدیم کی عمدہ یادگار.. مولوی محمد عظیم اللہ.. ایک صاحب فضل و عاشق کمال غازیپور زمینیہ[3].. کے رئیس ہیں۔ اگرچہ بزرگوں کا حال بہ تفصیل معلوم نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ قاضی القضات مفتی اسداللہ.. کی ہمشیرہ یعنی شاہ اجمل.. کی نواسی سے ان کی شادی ہوئی ...موصوف کے والد کی.. ناسخ سے نہایت دوستی تھی.. جذب جنسیت اور اتحاد طبیعت ہمیشہ مولوی صاحب کے والد کو غازیپور سے لکھنؤ کھینچ کر لیجاتا تھا، مہینوں وہیں رہتے.. مولوی صاحب کا ۵ برس کا سن تھا یہ بھی.. ساتھ ہوتے .. اس وقت سے ناسخ کی خدمت میں رہے اور سالہا سال فیض حضوری سے بہرہ یاب

۱۔ مظہر بعزد، ملک کتبخانہ مشرقیہ پٹنہ، ۱۶ صفحے، نام کاتب و سنہ کتابت ندارد، قیاس کہتا ہے کہ سو برس سے کم کا نہیں۔

۲۔ خمخانۂ جاوید ۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ ۱۹۱۴ء امان اللہ، طوفاں، یہ صحیح نہیں۔

۳۔ خمخانہ میں حیدپوری لکھا ہے اور یہ بھی کہ غازیپور زمنیہ کے رئیس ہیں۔

باشندۂ الہ آباد:

ملتی نہیں تشبیہہ تری زلف کی جاناں ہے عین خطا کہیے جو مشک ختنی ہے"

۱۶۰ رضا کا حال کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا ۳۸

۱۶۱ شہید کا ذکر ن میں غلطی سے رشک کے بعد لکھی ہے، اس جگہ یہ عبارت ہے: "مولوی محمد بخش، شہید تخلص از تلامذۂ معزز شیخ ناسخ است، خیلے وضع پسندیدہ دارد" اس کے بعد وہی شعر جو دوسری جگہ ہے: "صبح الخ"۔ ۱۶۲ تذکرۂ ناصر میں دو جگہ شہید کا حال لکھا ہے ایک جگہ حوض میں، دوسری جگہ چند صفحوں کے بعد حاشیے میں، دونوں یکے بعد دیگرے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

(۱) "مرد صالح اور سعید مولوی محمد بخش.. شہید رئیس پرگنہ سندیلہ مقیم لکھنؤ شاگرد .. ناسخ" (۲) مولوی صاحب مذکور.. لکھنؤ میں کہ غریب الوطن تھے، امامباڑہ لاڈو خانم صاحبہ واقعۂ نخاس میں ہمراہ مکرم علیخاں رہتے تھے۔ بعد انتقال .. ناسخ.. برق کے یہاں آنے جانے لگے بلکہ ان کے مصاحب خاص کیا ہمزاد ہو گئے اور بالکل (ان) کی صورت اور وضع اپنے میں بنائی اور.. ہر بات میں ان کی تقلید کرنے لگے جب.. برق کا ترقی اقبال (کذا) ہوا اور.. فتح الدولہ بخشی الملک ہوئے.. مولوی صاحب.. پر رحم کھا کر بیس رُپے کا درماہہ بخشیگری سے بلا شرط خدمت کروا دیا۔ مولوی صاحب نے یوں اوقات بسر کی کہ صبح کو فتح الدولہ بہادر کے مکان پر جانا اور تا دوپہر حاضر رہنا بعد اس کے.. امامباڑے میں آنا اور ہمراہ مکرم علیخاں کے اکل و شرب کرنا اور مکرم علیخاں بھی تمام خانہ داری مولوی صاحب کی مثل اہل خانہ مدام سرانجام کار کرتے رہے اور معمول تھا مولوی صاحب کا کہ ہر جمعے کو بوقت سہ پہر امام باڑۂ مذکور میں شاگردوں مرزا صاحب اور اپنے شاگردوں کو جمع کرتے تھے اور آٹھویں دن بروز جمعہ ایک چھوٹا سا مشاعرہ کیا کرتے تھے .. بعد بر سبھی سلطنت

اودھ.. وہ بخشیگری و حکومت سب خاک سیاہ ہو گئی اور حضرت واجد علیشاہ مع مصاحبین خاص مثلاً انجم الدولہ و مسیح الدولہ.. برق ہمراہ رکاب.. برائے استغاثہ روانۂ.. کلکتہ ہوئے اور یہ جلسہ بھی درہم برہم ہوا بموجب شعر؛

نہ لشکری نہ سپاہی نہ کثرت الناسی　　نہ انجمی نہ مسیحی نہ برق خناسی

اس کے بعد.. شہید.. دلیرالدولہ میرزا حیدر.. کے پاس حاضر ہونے لگے۔ دلیرالدولہ نے.. کچھ مولوی صاحب کے واسطے.. مقرر فرمایا، چند ایام کے بعد غدر ہو گیا اور مولوی صاحب اس غدر میں بہت خراب و برباد ہوئے۔ بعد خرابی بصرہ جب دوبارہ عملداری سرکار انگریزی ہوئی بعد چندے.. منشی رامدیال اکسٹرا اسسٹنٹ واسطے تحصیل انکم ٹیکس کے لکھنؤ میں مقرر ہوئے اس ظالم نے داروغہ عاشق علیخاں کو واسطے تحصیل زر ٹکس محلہ کٹرہ ابوتراب خاں میں مقرر کیا داروغہ مذکور نے صاحبان کٹرہ کو.. تنگ کیا، چنانچہ مولوی صاحب اور مکرم علی خاں کو بھی طلب کیا اور ٹکس مانگا مولوی صاحب نے کہا کہ میرے پاس بجز جان یک حبہ نہیں ہے، راقم حاشیۂ تذکرۂ لہٰذا اس وقت وہاں.. موجود تھا۔ داروغہ نے.. کہا کہ وہ دولت بخشیگری کی اور کمائی سرکار مرزا حیدر.. کی کیا ہوئی۔ مولوی صاحب نے یہ شعر پڑھا..؛

قرار در کف آوارگان نگیر د مال　　نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

داروغہ نے خفا ہو کر.. کہا کہ آپ یوں زر ٹکس نہ دیجئے گا؟.. سپاہی کو بلا کے حکم دیا کہ مولوی صاحب و مکرم علی خاں کو نیچے کمرے میں لے جا کر قید کرو، بوقت قید ہونے کے.. یہ شعر پڑھا؛

جب کہ ہم اے شہید پیر ہوئے　　دست اعدا میں تب اسیر ہوئے

بعد اس کے مکرم علیخاں (کی) طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا..؛

تم ہوئے ہم ہوئے کہ میر ہوئے　　بس کے پھندے میں سب اسیر ہوئے

راقم .. نے .. یہ دیکھ کر فوراً محمد مرزا خانصاحب کو .. خبر دی - خان مذکور نے اپنا رقعہ ضمانت کا لکھ کر مولوی صاحب کو طلب کیا، .. کہا میں بغیر رہائی مکرم علیخاں کے اس مجلس سے نہ جاؤں گا - الغرض مولوی صاحب کا بھی مکرم علیخاں سے وہ حال تھا کہ جو .. ناسخ .. کا مرزائی صاحب سے .. تھا - العاقل تکفیہ الاشارہ:

میکدے میں گو سراسر فعل نامعقول ہے　　مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

بعد اس کے محمد مرزا خاں صاحب نے دوبارہ .. دونوں .. کی ضمانت کر کے داروغہ عاشق علیخاں کے یہاں سے اپنے پاس بلا لیا جب .. خاں صاحب کے پاس گئے تو یہ شعر پڑھا:

جب اے شہید ہو گئے ہم اس طرح کے پیر　　عاشق علی کے گھر میں ہوئے آ کے تب اسیر

اسی کوفت سے مولوی صاحب نے بعد چندے کے انتقال فرمایا .. مکرم علیخاں نے مولوی صاحب کا سوگ رکھا اور ایام عدی (عدت ؟) کے پورے کیے اور ان کے مال اسباب اور دیوان غزلہا وغیرہ بلکہ جتنے ان کے کوا غذات مسودات تھے، ان سب پر بحسب وصیت ان کے قابض و متصرف ہوئے - اب مکرم علی خاں .. بعارضۂ بواسیر خونی و بادی بشدت علیل رہتے ہیں .. کوئی ماہ ایسا نہیں جس میں .. دس پندرہ روز علیل نہ رہتے ہوں اور پانچ چار فاقہ نہ کرتے ہوں ... اور یہ مصرع .. باربار پڑھتے ہیں اور مولوی صاحب کو یاد کرتے اور روتے ہیں .

"مرا عیسیٰ آپ ہی مر گیا مجھے کس طرح سے شفا ملے"

۱۶۳ شہید کے جو اشعار تذکرۂ نامر میں ہیں، ان میں سے کچھ درج کیے جاتے ہیں، ان میں وہ مطلع بھی (بہ تبدیل الفاظ) ہے جو ن میں ہے:

مستانہ یار اگر شجر تاک تک گیا　　ہر خوشہ گرمی رخ روشن سے پک گیا

کانٹوں پر یاں سونا ہے واں پھولوں پر آسایش ہے
مرنا کھپنا ہم کو ہے واں زینت ہے آسایش ہے
آٹھ پہر فرصت نہیں تم کو زینت ہے زیبایش ہے
شانہ ہے مشاطہ ہے آئینہ ہے آرایش ہے
فصدوں پر ہوتی ہیں فصدیں سودا بڑھتا جاتا ہے
جوشش وحشت گھٹتی نہیں ہے خون کی کیا افزایش ہے
طپش نہ اٹھے دل میں کیونکر اشکوں میں سرخی بھی ہے
کچا پھوڑا پھوٹا ہے رنگیں اُس سے آلایش ہے
گل پر گل کھائے فرقت میں پھول کھلے ہیں سرتا پا
نخل چمن الفت نے بنایا داغوں سے آرایش ہے
بڑھنا گھٹنا قسمت سے ہے بن گئے وہ ہم بدر و ہلال
اپنی جاں کی یاں کاہش ہے حسن کی واں افزایش ہے
ٹکڑے گریباں پر نے داماں اشک فشاں فریاد کناں
صحرا کو اس طرح سے چلیے وحشت کی فرمایش ہے
یاں دھاگا ساصدموں سے فرقت کے جسم نزار ہوا
واں ڈورا لے لیکر ہر دم بازو کی پیمایش ہے
ہجر صنم میں نیند آنے کی اور نہیں تدبیر شہید
کنج لحد میں سویئے چل کر محشر تک آسایش ہے

۱۶۴ سوزش کا حال کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا۔ دکبھو، کبھی کی جگہ غالباً کاتب کی غلطی۔

ملحقات حواشی

۸ مطبع کبیری نے ۱۲۶۷ھ میں درد کی درد دل اور شمع محفل بھی یکجا شائع کی تھی ۹ گلزار ابراہیم میں ایک رباعی (ردیف "کے سبب") درد و الم دونوں کے نام ہیں۔ ۳۰ شعر امانت نہیں نظیر کا ہے۔ امانت محض سہو قلم ہے ۳۱ مصرع ۲: کلیات "چرخ بریں" ۳۷ ن "زاد و بوم" "نوزدہ سالگی" تحقیق طلب ۳۹ ن "سجا" ۴۶ "دم آپ آرام کرتے ہیں" میں "آپ" کھٹکتا ہے شعر کلیات میں نہیں۔ حقیقت نے یہ شعر بھی دیا ہے: "لخت دل سمجھو نہ میرے آنسوؤں کے تار میں۔ پٹریاں یاقوت کی ہیں موتیوں کے ہار میں" ۵۵ دتاسی کی کتاب سے قبل ذوق کا دیوان طبع ہو چکا تھا، مگر وہ دیوان مطبوعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ ظاہر اوہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ بوترو کے پاس قلمی نسخہ تھا۔ ویران وغیرہ کے مرتب کیے ہوئے دیوان کے بہت بعد آزاد کا مرتبہ دیوان چھپا ہے۔ اس میں بقول شیرانی خود آزاد کا کلام بھی ہے جناب شاہ عطار الرحمٰن صاحب عطا نے اطلاع دی ہے کہ دیوان مرتبہ ویران وغیرہ کی اشاعت سے کچھ ہی قبل نگارستان سخن طبع ہوا تھا جس میں انتخاب دیوان ذوق شامل ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طور سے منتخب کیے تھے۔ صہبائی کے "انتخاب دواوین شعرائے مشہور زبان اردو" میں بھی انتخاب دیوان ذوق موجود ہے ۵۹ شعر ناسخ بر ردیف "کو" بھی آبحیات میں ہے ص ۳۶ ۔ ۶۲ شعر ۳۸ کلیات "شرمگیں" ۶۳ الف شعر ۵۲ "نہ دیکھیں" مطابق کلیات، ن میں "نہ دیکھا" ۶۴ ن موسا ۶۷ "جو کہ طائر" تذکرۂ ناصر میں ۳۷ لالہ فتح چند، شائق کے ترجمے میں ناصر نے انھیں علیشی و ناسخ کا شاگرد اور ان کا دوست لکھا ہے۔ ۷۹ تاریخ محتشم میں مرزا گنج "مسکن"۔ ۸۰ تاریخ محتشم میں گویا کو "دوست دبرپا ساختہ معتمد الدولہ" لکھا ہے۔ ۸۱ دیوان گویا میں نصیر الدین حیدر کی مدح میں جو قصیدے ہیں، ان میں سے ایک میں یہ اشعار ہیں:

وہ کس طرح نہ بھلا شاعروں میں ہو ممتاز کہ جس کے شعر میں اصلاح شاہ دوراں ہے ص ۷

ہر ایک شعر مرا بن گیا ہے سلک گہر کہ کلک شہ دم اصلاح گوہر افشاں ہے ص ۶

نصیر الدین حیدر کے فارسی اور اردو اشعار ملتے ہیں، لیکن یہ کہیں نہیں دیکھا کہ وہ شعرا کے کلام پر اصلاح دیتے ہوں ۸۴ "دیوان اور دیباچہ" میں "دیوان اور" کالعدم سمجھا جائے۔ ۸۵ الف تاریخ محتشم میں ہے کہ سنہ ۴ جلوس نصیر الدین حیدر میں منتظم الدولہ وزیر گویا سے ناراض ہو گئے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ انھوں نے وزیر کے روبرو تاج الدین حسین خاں کے حق میں "کلمات درشت" کہے تھے، دوسری یہ کہ جری آدمی تھے، ان کے سامنے ظلم ہوتا تو مظلوم کی پاسداری کرتے۔ سرداران فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ دربار میں ہتھیار باندھ کر نہ آیا کریں۔ گویا نے کہا کہ میں اس پر خانہ نشینی کو ترجیح دیتا ہوں۔ انھیں ہتھیار لگا کر آنے کی اجازت تو دی گئی، مگر ان کے دشمنوں نے (یہ صراحت نہیں کہ یہ کون تھے) بادشاہ سے کہا کہ یہ نافرمانی انگریزوں کے بل پر ہے۔ ان کے یہاں شب کو مجمع ہوا کرتا ہے اور "اخبار شہر بلکہ تمام حالات شبانہ روزی مالک ملک" کے متعلق گفتگو ہوتی ہے، گویا کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے اسے لکھ کر "انگریز" کو پہنچا دیتے ہیں۔ حکم ہوا کہ گویا سے کہا جائے کہ اس قسم کے مجمع سے احتراز کریں، وزیر نے حکم سنایا تو قبول کرنے میں تامل ہوا، بادشاہ کا شقہ بدستخط خاص آیا کہ فوراً شہر سے باہر چلے جائیں۔ تعمیل حکم کرنی ہی پڑی۔ سنہ ۵ جلوس میں منتظم الدولہ معزول ہوئے تو گویا مرزا گنج سے بلوائے اور عہدۂ سابق پر مامور کیے گئے۔ اسی کتاب میں ہے کہ نصیر الدین حیدر کی وفات سے کچھ قبل بھی گویا کا اخراج عمل میں آیا۔ یہ اس طرح کہ دھنیا مہری (مخاطب بہ فضل النسا خانم) نے گویا سے اپنے امام باڑے کے باورچی خانے کے لیے تھوڑی زمین مانگی، یہ ٹال گئے۔ اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ انکار تعصب مذہب کی بنا پر ہے۔ بادشاہ نے بجبر زمین دلوا دی۔ لیکن جب مہری پر عتاب نازل ہوا تو گویا نے اس کے یہ کہنے کہ باوجودکہ

دی ہوئی چیز واپس لینا آپ کے شایانِ شان نہیں، اپنی زمین پر قبضہ کر لیا۔ مہری کی خطا معاف ہوئی تو اس نے شکایت کی، بادشاہ نے غصے ہو کر مع رسالہ برطرف کیے جانے کا حکم دیا۔ خفگی کا قوی سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے کسی خوبرو عورت کے حاضر کرنے کو کہا تھا، وہ گویا سے "علاقہ" رکھتی تھی، اس نے اپنی "سرگذشت" ان سے بیان کی، گویا کے یہاں یہ گفتگو ہوئی کہ ایسا ظلم ہوتا رہا تو اس کا انجام کشت و خون ہے۔ بادشاہ کو کسی نے یہ خبر پہنچا دی تھی۔ روشن الدولہ اس زمانے میں وزیر تھے۔ وہ ان سے رعایت کرنی چاہتے تھے، اور مہری بھی راضی کر لی گئی تھی، لیکن بادشاہ کو کد ہو گئی تھی، لکھنؤ چھوڑ کر مرزا گنج جانا ہی پڑا۔ سوانحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد محمد علی شاہ میں منتظم الدولہ کی وفات کے وقت گویا لکھنؤ میں موجود تھے "فقیر محمد خاں.. نے مرغ کے چوزے پرورده بھیجے تھے اکثر نوش کرتے تھے۔ وہ سب بھی نوش کیے، حرارت خفیف معلوم ہوئی.. بعد ہفتے عشرے کے.. آخر رمضان ۱۲۵۳ھ .. انتقال کیا" ص ۳۶۲

۸۵ دیوان میں بھی فارسی اشعار مگر صبحِ گلشن کا شعر نہیں۔ ۹۵ آغا علی کی ماں خرد محل "فرقۂ خاص" سے تھیں۔ سوانحات ۲ ص ۹۱ ملازمت آغا علی خاں سے متعلق رشک کا شعر محامد حصۂ ۲ ص ۹۵ میں ہے۔ ۹۶ الف محبوبِ کسبی سے روشن الدولہ کی ایک بیٹی تھی "جس کی شادی ڈپٹی کلب حسین خاں سے ہوئی.. اتفاقاً وہ مر گئی.. بے اولاد رہی.. ڈپٹی صاحب دو برس کی رخصت لے کر سیر لندن بھی کر آئے، ۶ ہزار سرکار سے زادِ راہ بھی پایا" (سوانحات ۲ ص ۹۶) غالباً کلب حسین خاں، نادر۔ ۱۰۰ ان میں بیتاب نہیں بسانت۔ ۱۰۱ الف اسعد الاخبار ۱۲۶۵ھ میں نادر کی ۲ مطبوعہ کتابوں کا اشتہار ہے: خلاصۂ قانون مال و کلکٹری (طبع ۲)، توصیف زراعت اسعد الاخبار ۶۶ھ: فضائل الشہدا

۱۳۱ فضل علی خاں نصیر الدین حیدر کے اتالیق بھی رہے تھے (تاریخ محتشم)۔ نصیر الدین حیدر کی ان سے ناراضی کی وجہ تاریخ محتشم میں یہ لکھی ہے کہ انھوں نے رزیڈنٹ سے یہ

تحریک کی تھی کہ بادشاہ جب تک چالیس برس کے نہ ہو جائیں، اصل اختیارات بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں رہیں، یہ بات بادشاہ کو معلوم ہو گئی تھی؛ مگر ان کی خانہ نشینی کے بعد کوئی دوسرا شخص وزیر مقرر نہیں ہوا، ان کی وفات کے بعد نئے وزیر کا تقرر ہوا۔ انھوں نے زمانۂ داروغگی میں کئی لاکھ کی عمارتیں بنوائی تھیں، اخراج کے بعد معتمد الدولہ نے عمارات بہ استثنائے مسجد مسمار کرا دیے اور "۶ لاکھ روپے کا نقد جنس" جو گھر میں تھا لٹ گیا۔ سوانحات ا ص ۲۵۲۔ معتمد الدولہ نے یہ غارت شدہ رقم واپس کرنی چاہی تھی مگر انھوں نے منظور نہ کیا ص ۳۰۴۔ وزارت کی مدت قلیل میں انھیں "باوجود بے دخلی اور معطلی کے دشمنوں کے ہاتھ سے کروڑ روپے کا محاصل ہوا"۔ ان کا ترکہ تین بیٹوں پر تقسیم ہوا ص ۳۰۶۔ دہلی کالج سے ان کے تعلق کا ذکر دلی کالج اردو میگزین کے قدیم دلی کالج نمبر ص ۱۱۳ میں ہے۔ عمۂ فضل علی خاں بھی اوائل عہد نصیر الدین حیدر میں خفیہ طور پر لکھنؤ آ گئی تھیں اور معتمد الدولہ انھیں نکلوا نہ سکے تھے۔ ذی الحجہ ۱۲۵۲ھ میں روشن الدولہ نے انھیں بحیلہ بادشاہ کے یہاں بلوایا اور محبوس کر دیا، لیکن یہ کچھ ایسی بیمار ہو گئیں کہ یہ ڈر ہوا مر نہ جائیں۔ بدنامی کے خوف سے رہا کر دیا (تاریخ محتشم)۔ ۱۳۲ ان میں "دیوانوں کی" "دُنے" "مکتوبات شاد میں ہے۔ ۱۶۳ ذاکر فارسی گو و مصاحب راجۂ بنارس (روز روشن) ۱۴۰ تادر تخلص اور شاعروں کا بھی تھا ۱۴۱ کیلنڈر میں ایک جگہ محمد ah ص ۴۳۸، دوسری جگہ قاضی لال محمد ص ۴۹۳۔ ۱۴۲ "یا علی... است" حاشیے میں اور حرہجا بعد کا اضافہ۔ ۱۴۷ "ایں شعر ہند لیست" کے قبل کوئی لفظ تھا جو ان سے غائب۔ ۱۶۲ ناصر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہید محمد ابن ابی بکر کی اولاد سے تھے۔

ملحقات ۲

۸ نسخۂ محمدی کا سال طبع ۱۲۷۱ھ (حاشیۂ دستور الفصاحت ص ۳۸)

۳۱ کلیات انشا طبع اول میں "ہر ایک تارا، جم گیا" "ہر اک ستارا جم گیا" غلط لکھا گیا۔ انشا کا شعر ۵ کلیات میں نہیں۔

۳۴ سال وفات منتظر ۱۲۱۷ھ (معاصر ا ص ۱۵۹)

۵۰ دیوان یاس کی ایک غزل کا مقطع ہے: "بعد از نصیر کوشش فکر ملیح سے: مجھ کو بھی یاس آئے میسر ملال چار" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیر کی غزل بھی اس زمین میں ہو گی۔ تذکرۂ ہٰذا کا شعر اسی غزل کا ہو تو تعجب نہیں۔

۵۵ تذکرۂ ذوقی کا وجود مشتبہ ہے، دتاسی کے سوا کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا، اور وہ بھی نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ اس نے اس کے حوالے سے کہیں کوئی بات لکھی ہے۔ بوترو دہلی کالج کا پرنسپل تھا اور ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن فرانس واپس چلا گیا تھا۔ تعجب ہے کہ دتاسی نے اس تذکرے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

۶۶ نسخۂ مولائی سے تذکرۂ اور کمیاب تر مطبع محمدی لکھنؤ کا نسخہ مطبوعہ ۱۲۵۸ھ ہے جس کا حال جناب سید مسعود حسن رضوی نے "آب حیات کا تنقیدی مطالعہ" میں (اور غالباً شاعر والے مقالے میں بھی) لکھا ہے۔ ممکن ہے دیوان سوم کا کوئی قلمی نسخہ ایسا بھی ہو جو اور دواوین سے الگ ہو۔ الٰہ آباد سے ناسخ کی جو ایک مثنوی شائع ہوئی تھی، اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ دیوان سوم طبع ہوگا، گو اس کی نوبت اب تک نہیں آئی۔

۷۵ آبحیات ص ۳۷۴ میں ہے کہ وزیر پہلے آتش کے شاگرد تھے۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔

۷۹ ہندستانی الہ آباد (جنوری و اپریل ۱۹۴۷ء) میں ایک مقالہ "مخزن آلام اور احمد کی شاعری" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ احمد گویا کے بیٹے اور جوش ملیح آبادی کے دادا تھے۔ اس میں کولہار اور مرزا گنج کا کہیں ذکر نہیں۔ ۸۰ ہندستانی میں لکھا ہے کہ گویا کا عروج عہد نصیر الدین حیدر تک رہا یہ اودھ کے ساڑھے تین لاکھ سپاہیوں کے سالار تھے اور "خود چودہ سو پیادے اپنی ذات خاص میں رکھتے تھے" نہ گویا کے سپہ سالار ہونے کا ثبوت موجود ہے اور نہ عہد غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر میں اتنی بڑی فوج اودھ میں تھی۔ ۸۲ دتاسی ا ص ۵۰۹ میں ہے کہ گویا کا دیوان کراچی سے ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ زیادہ قرین قیاس نہیں۔ ۸۵ ہندستانی میں مرقوم ہے کہ گویا پشتو مادری زبان کی طرح بولتے تھے اور ایک نہایت غیر معروف کتاب نامۂ مظفری کے حوالے سے لکھا ہے کہ عربی بھی ایسی صاف بولتے تھے کہ "گویا مادری زبان ہے" اور ان کے ترکی بولنے پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔

۹۴ جناب عالیہ سے بہو بیگم مادر آصف الدولہ مراد، وفات ۲۵ محرم ۱۲۳۱ھ سوانحات ا ص ۲۳۳۔ ۹۷ آب بقا ص ۴۶ میں ہے کہ رشک کا ایک ہی لڑکا تھا اور ایک ہی پوتا، پہلے لڑکا اور اس کے بعد پوتا مرا، اس کا صدمہ اس قدر ہوا کہ کربلا چلے گئے۔ رشک کے بیٹے علی ضامن، شوق ان کے کربلا جانے کے بہت بعد تک زندہ تھے۔ جیسا کہ دیوان منیر سے ثابت ہے۔ ۹۸ آب بقا میں کربلا جانے کا زمانہ ابتدائے ۱۲۲۷ھ لکھا ہے یہ صریحاً چھاپے کی غلطی ہے۔ جلال کے ایک دیوان میں جو اس وقت پیش نظر نہیں۔ رشک کے کربلا جانے کی تاریخ درج ہے۔

۱۰۱ محسن نے کہیں شوکت نادری نام لکھا ہے ص ۱۶۶ اور کہیں صولت نادری ص ۷۵ (اور غلط نامے میں جو طبع اول میں ہے اس کی تصحیح نہیں ہوئی) دتاسی میں صرف صولت نادری ہے۔ رامپور کا نسخہ میری نظر سے گزرا ہے مگر اس کے متعلق جو یادداشت